مطالعۂ مذاہب

از:

ڈاکٹر مولانا محسن عثمانی ندوی

پروفیسر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

مجلسِ نشریاتِ اسلام

اے۔کے۔۳۔ناظم آباد مینشن۔ناظم آباد۔ کراچی نمبر ۷۴۶۰۰

مطالعۂ مذاہب

از:

ڈاکٹر مولانا محسن عثمانی ندوی

پروفیسر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی

مجلس نشریاتِ اسلام

۱۔ کے ۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

نام کتاب	مطالعۂ مذاہب
تصنیف	ڈاکٹر مولانا محسن عثمانی ندوی
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی
اشاعت	سنہ ۱۹۹۹ء
ضخامت	۱۸۴ صفحات

ٹیلیفون

۶۲۱۸۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی
مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸

مختصر تعارف ۔ مرتب کتاب

عہدہ و منصب۔ حال ریڈر شعبہ عربی ۔ دہلی یونیورسیٹی ۔ سابق اسسٹنٹ پروفیسر جواہر لال نہرو یونیورسٹی ۔ سابق مترجم اناونسر نیوز ریڈر (عربی) آل انڈیا ریڈیو ۔ سابق کسٹوڈن خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ۔ صدر ۔ یونیورسل پیس فانڈیشن دہلی ۔ نائب صدر رابطہ ادب اسلامی (ہند) ۔ جنرل سکریٹری مجلس علمی دہلی۔

ادبی و علمی صحافت چیف ایڈیٹر سہ ماہی السلام دہلی ۔ رکن ادارت سہ ماہی کاروان ادب لکھنو ۔ سابق ایڈیٹر ماہنامہ دعوت و عزیمت دہلی ۔ سابق نائب مدیر ماہنامہ ذکر و فکر دہلی۔

تصنیفات و تراجم۔ (۱) مصر کی عربی صحافت (۲) اسلام میں اہانت رسول کی سزا (۳) حادثۂ کربلا اور اس کا پس منظر (۴) دین و سیاست کا رشتہ (۵) مسلمانوں کے مسائل کا حل ۔ سورہ یوسف کے مطالعہ کی روشنی میں (۶) دین کا متوازن تصور ۔ عبادت و خلافت کی جامعیت ۔ (۷) مولانا وحیدالدین خاں ۔ علماء و دانشوروں کی نظر میں (۸) تبلیغ اسلام (۹) نفح الطیب فی مدح الحبیب (اردو ترجمہ و تعارف) (۱۰) قضیۃ البعث الاسلامی (اردو سے عربی ترجمہ) (۱۱) مطالعہ مذاہب (۱۲) سفر نامہ ترکی و شام و حجاز (زیر طبع) (۱۳) مطالعہ ادب (زیر طبع) (۱۴) اسلام اور پیغمبر اسلام (زیر طبع)

کتابوں پر پیش لفظ انوار کمال ۔ نگارشات ۔ سفرنامہ حج ۔ ٹوٹے ہوئے تارے ۔ حسن حیات ۔ تجوید کی کتاب ۔ اسلام ایک پریچے (ہندی) آدرش جیون (ہندی) نیائے دیوس (ہندی) Islam a Revolutionary Message (انگریزی)

شرکت تالیف علامہ سید سلیمان ندوی ۔ علامہ ابن تیمیہ (عربی) — تدریس اللغۃ العربیۃ (عربی)

فہرست کتاب

مقدمہ کتاب

اردو سہ ماہی " السلام " نے اردو داں حلقہ میں پورے ملک میں اپنی ایک شناخت بنائی ہے ۔ مختلف مذاہب اور مذاہب کی مقدس کتابوں کے بارے میں اس مجلہ میں مسلسل فکر انگیز اور معلومات سے لبریز مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ رسالہ کے قدردانوں کی طرف سے تقاضہ تھا کہ ان مضامین کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کردیا جائے ۔چنانچہ " مطالعہ مذاہب " کے نام سے مضامین کا انتخاب شائع کیا جارہا ہے ۔

مذکورہ سہ ماہی مجلہ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن کا ترجمان ہے ۔ اس ادارہ کے مقاصد میں سے ایک مقصد مذاہب کا تعارف بھی ہے ۔ اس ادارہ نے اسلام کے تعارف پر اور سیرت نبوی کے بارے میں مفید اور موثر کتابیں اور کتابچے ہندی اور انگریزی میں شائع کئے ہیں ۔ احادیث کے ترجمے بھی چھاپے ہیں ۔ غیر مسلموں کے حلقہ میں ان کتابوں کی اچھی پذیرائی ہوئی ہے ۔ ایک خطہ ارض اور ایک ملک کے رہنے والے اگر ایک دوسرے کے مذہب سے واقف نہ ہوں ۔ تہذیب و تاریخ سے آشنا نہ ہوں تو باہمی اتحاد واعتماد اور امن اور شانتی کی فضا نہیں قائم ہوسکتی ہے ۔ اپنے مذہب کا تعارف کرانے کے لئے بھی مخاطب کی نفسیات کا اور اس کے مذہبی اور تہذیبی پس منظر کا جاننا ضروری ہوتا ہے ۔ ایک شریفانہ طرز زندگی کے لئے ، روحانی اور اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے ، تہذیبوں کی رنگا رنگی اور تنوع کے درمیان دوستانہ روابط کے لئے ، خیر سگالی کی فضا کو پروان چڑھانے کے لئے اور سب سے بڑھ کر حق کا عرفان حاصل کرنے کے لئے مذاہب کا علم اور ان کا تقابلی مطالعہ از بس ضروری ہے ۔ اس اعتبار سے یونیورسل پیس فاؤنڈیشن ملک اور ملت دونوں کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے ۔

مطالعہ مذاہب میں بہت سی چیزیں مشترک مل جائیں گی ۔ بودھ مذہب میں تعوذ اور

استغفار مل جائے گا۔ اپنشد میں یہ دعا ملے گی کہ " مجاز سے حقیقت کی طرف میری رہنمائی کر۔ تاریکی سے نور کی طرف میری رہنمائی کر" فنا سے بقا کی طرف میری رہنمائی کر، کہیں خدا کے عرفان کے لئے بے لوث خدمت کی تاکید ملے گی۔ کہیں اخلاق اور روحانیت کے حصول پر زور ملے گا۔ یہ سب نور حقیقت کی کرنیں ہیں اور اس کا ثبوت ہیں کہ سچائی عالم گیر ہے اور دین اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک رہا ہے۔ اسلام وحدت دین کا قائل ہے۔ وحدت ادیان کا نہیں اخلاق اور حسن کردار کی تعلیم جہاں سے بھی ملے ان سے فائدہ اٹھانے کا حکم ہے۔ دانائی اور حکمت کی بات مومن کی میراث ہے اور وہی اس کے قبول کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

چاہیئے خانہ دل کا کوئی گوشہ خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو خیرالامم بنایا ہے اس تصور کی تصدیق کے لئے ملتوں فرقوں اور عقیدوں کا مطالعہ بھی ضروری کام ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم کی تاریخ میں ادیان و مذاہب کے مطالعہ کی روایت بہت قدیم ہے۔ شہرستانی کی کتاب الملل و النحل کی شہرت اتنی زیادہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ انسان اور اسلامی ثقافت و علوم کا طالب علم اس کتاب کے نام سے واقف ہے ابن حزم اندلسی کی " الفرق بین الفرق " بھی اس موضوع پر اہم کتاب ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الادیان ، انتشار الادیان تاریخ الدیانات ، تاریخ الفرق الاسلام ، تاریخ الادیان السماویہ وغیرہ بے شمار کتابیں ہیں جو اس موضوع پر علماء کی کاوشوں کا ثبوت ہیں۔ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند لکھی اور ہندوستان کے مذاہب کا دانشورانہ مطالعہ پیش کیا۔ علم و فن کا چمن اپنے اس دیدہ ور اور یکتائے روز گار پر ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ یہ کتاب بھی اس سلسلہ طلای کی ایک کڑی ہے جو امید ہے ارباب ذوق تک پہونچے گی۔ دست شوق میں لی جائے گی اور شرف قبولیت سے نوازی جائے گی۔

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی
چیرمین یونیورسل پیس فائڈیشن

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اسلام۔ ایک تعارف

اسلام کا مادہ اشتقاق "سلم" ہے جس کے معنی سلامتی پانے اور محفوظ رہنے کے ہیں اس مفہوم میں یہ لفظ حدیث میں استعمال ہوا ہے۔ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"، یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اسی مادہ کے باب افعال میں جانے سے لفظ اسلام بنا ہے جس کے معنی امن و سکون پانا بھی ہے۔ اور امن وسکون دینا بھی ہے یعنی یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی خود سپردگی، اطاعت اور فرماں برداری بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ دین اسلام کو اسلام اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کا دین ہے۔ اور اس حقیقت کے اعتبار سے پچھلے تمام انبیاء کا دین بھی اسلام تھا اور اس کے شواہد قرآن میں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے پروردگار نے کہا کہ "اسلم" یعنی فرماں بردار بن جاؤ تو حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا "اسلمت لرب العالمین"، یعنی میں نے جہانوں کے رب کی فرماں برداری اختیار کی۔ تمام انبیاء کرام کا دین اس حقیقت کے اعتبار سے اسلام تھا چنانچہ یہ لفظ اور اس کے مشتقات انبیاء کے بارے میں قرآن میں استعمال ہوئے ہیں "یحکم بها النبیون الذین اسلموا" یعنی اس کے ذریعہ سے انبیاء جو مسلم

اور مطیع تھے فیصلے دیتے رہے ۔ اس سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اپنے آپ کو نیا مذہب نہیں کہتا اور نو ایجاد مذہب ہونے کا دعوی مطلق نہیں کرتا ہے ۔ اس کے برعکس اس کا دعوی یہ ہے کہ جن حقیقتوں کی تلقین خدا کے برگزیدہ اور فرستادہ بندے مختلف زمانوں اور زمینوں میں کرتے آئے ہیں ان کو زیادہ مکمل اور زیادہ جامع شکل میں پیش کرتا ہے ۔ وہ حقیقت اسلام جو شروع سے موجود رہی ہے لیکن تحریف کا شکار ہو چکی تھی اب خالص اور بے آمیز شکل میں اور مستقل دستور اور قانون کی شکل و صورت میں آچکی ہے اور آسمانی کتاب قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بغیر کسی تبدیلی اور تحریف کے محفوظ ہے اور اسی طرح قیامت تک باقی رہے گا ۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ پوری کائنات کا دین بھی اسلام ہے کیونکہ تمام اجرام سماوی، زمین و آسمان، حیوانات و نباتات سب کے سب اس ضابطے اور قانون کے پابند ہیں جو احکم الحاکمین کے بتائے ہوئے ہیں ۔ اس کائنات کی ہر شئ مسلم ہے کیونکہ وہ اللہ کے قانون تکوینی کی اطاعت کر رہی ہے ۔ اور انسان کو چونکہ اللہ نے ارادہ و عمل کی آزادی عطا فرمائی ہے اس لیئے اختیاری طور پر بھی اسے اسی دین اسلام کی پیروی کرنی چاہیئے جو پوری کائنات کا دین ہے ۔ اسلام کے مفہوم میں اطاعت کے ساتھ سلامتی اور امن کے معانی بھی داخل ہیں گویا اسلام دنیا اور آخرت دونوں میں امن و سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے ۔

اسلام کا دعوی ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے بالفاظ دیگر اسلام وحدت دین کا قائل ہے نہ کہ وحدت ادیان کا ۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آخری پیغمبر تک تمام انبیاء نے اسی دین کو قائم کرنے کی تلقین کی ۔ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس دین کی اقامت سے دنیا میں امن اور آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے ۔ اس سلسلہ میں قرآن کی آیت کا ترجمہ یہ ہے ۔

> اس نے (اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی تم کو اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم موسی اور عیسی کو اور وہ یہ کہ تم سب (وحدت) دین کو قائم رکھو

اور اس کے معاملہ میں ٹکڑیوں میں نہ بٹو۔ مشرکوں کے لئے وہ چیز بڑی بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لئے چن لیتا ہے اور جو رجوع ہوتا ہے اسے اپنا راستہ دکھاتا ہے۔

(شوریٰ ۔ ۱۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور احکام میں اختلاف کے باوصف دین ایک ہی رہا ہے ۔ یہ اللہ کی اطاعت و انقیاد کا دین ہے ۔ اور یہی اسلام کا مفہوم ہے ۔ گویا اسلام ہمیشہ سے موجود رہا ہے البتہ شریعت اور ضابطہ کا فرق زمانہ کے فرق کے ساتھ پایا گیا ہے ۔ آخری پیغمبر کے ساتھ آخری شریعت نازل ہوئی جس نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کردیا ۔ آج کی حکومتوں اور انکے دستور اور قانون کو دیکھئے تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی ۔ ایک حکومت کا دستور اور قانون ماقبل دستور اور قانون کے لئے ناسخ ہوجاتا ہے ۔ اور کسی کو یہ کہنے کا حق باقی نہیں رہتا ہے کہ میں اس عہد کے قانون کے بجائے گزشتہ صدی کے بنے ہوئے قانون پر عمل کروں گا۔

اصطلاحی طور پر اسلام ان تمام امور کی عملی تصدیق کا نام ہے ۔ جو شہادت توحید اور رسالت کے بعد ہر انسان کے لئے ضروری ہوجاتے ہیں ان میں اقامت صلوٰۃ ادائے زکاۃ ، صوم رمضان اور حج بیت اللہ بھی داخل ہیں اور اسلام کے معنی میں وہ تمام چیزیں بھی داخل ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے یا حقوق العباد سے ہے۔ ایمان جن اساسیات دین کے زبان سے اقرار اور دل سے ان کی تصدیق کا نام ہے اسلام ان سب پر عمل اور اعضاء و جوارح سے ان کی تصدیق کا نام ہے ۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین و شریعت کو لے کر آئے اس کا نام خود شارع نے اسلام رکھا ہے ۔ حقیقت اسلام اگرچہ ہمیشہ سے موجود رہی ہے لیکن جب یہ حقیقت عظمیٰ آخری طور پر اپنی مکمل شکل میں ایک نظام حیات بن کر آخری پیغمبر پر نازل ہوگئی تو اس کا نام اصطلاحی طور پر اسلام رکھ دیا گیا۔

الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشونی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و

رضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ ۵۔۳)

(آج کے دن کافر تمہارے دین سے مایوس ہوگئے ۔ پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور ابدی دین کے منتخب کرلیا۔)

جبریل امین کے سوال کے جواب میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ اسلام کی تشریح اس طرح کی ہے کہ " اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے زکوۃ ادا کرے ۔رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اللہ طاقت و وسعت دے تو بیت اللہ کا حج بھی کرے ۔

عمومی مفہوم کے اعتبار سے ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے مترادف الفاظ بھی ہیں ۔گویا اسلام کچھ تصورات اور ان پر اعتقاد کا نام بھی ہے اور ان کے مطابق عمل کرنے اور زندگی گزارنے کا بھی ۔ اللہ پر اس کے رسولوں پر آسمانی کتابوں پر ملائکہ پر اور قیامت و تقدیر پر پختہ ایمان رکھنے کا بھی ۔ صرف خصوصی مفہوم کے اعتبار سے ایمان اور اسلام میں فرق ہے یعنی خصوصی مفہوم کے اعتبار سے ایمان کا تعلق قلبی تصدیق اور لسانی اقرار سے ہو جاتا ہے اور اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے ۔

ایمان و اسلام کے مقابلہ میں لفظ کفر استعمال ہوتا ہے اور مومن و مسلم کے مقابلہ میں کافر کا لفظ بولا جاتا ہے ۔گویا کوئی شخص اگر خدا کی وحدانیت کا قائل نہ ہو یا خدا کی اطاعت کے لیئے تیار نہ ہو اور تکوینی طور پر کل کائنات کی اطاعت سے اپنے آپ کو اختیاری اطاعت کے ذریعے ہم آہنگ نہ کرسکے اور حقیقت عظمیٰ کے اعتراف کے بجائے اس پر پردہ ڈال دے اور اس کا انکار کر بیٹھے یا دعوت ایمان کو رد کردے تو وہ کافر ہے۔ کفر کے معنی چھپانے کے بھی ہیں اور ناشکرے پن کے بھی ہیں ۔ جو آدمی اپنے رب کو رب نہ مانے اس نے گویا حقیقت کو چھپالیا اور اس پر پردہ ڈال لیا اور گویا اپنے رب کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس نے ناشکری کا رویہ اختیار کرلیا ۔ جو شخص مسلم نہیں ہے وہ کافر ہے۔ یعنی وہ منکر اور ناشکرا ہے ۔ پوری کائنات تو تکوینی طور پر خدا کی

مطیع اور فرمانبردار ہے مگر وہ باغی اور نافرمان ہے۔ اسلام معرفت ہے اور کفر جہالت ہے اسلام منعم کا شکر اور اعتراف ہے کفر ناشکری اور اپنے رب سے بغاوت ہے ۔ اسلام حق ہے اور کفر باطل ، اسلام انصاف ہے اور کفر سراسر ظلم اور ناانصافی ۔ اسلام یعنی اطاعت کے ذریعہ انسان دنیا میں بھی سکون و سلامتی پاتا ہے اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جب وہ حاضر ہوگا تو سرخرو ہوگا اور انعام کا مستحق ہوگا ۔ کفر یعنی اپنے رب سے بغاوت کے ذریعے انسان اس دنیا کو رنج اور تلخی حیات سے بھردے گا اور مرنے کے بعد جہنم کا مستحق ہوگا ۔

گویا اسلام وہ دین ہے جو بندے کا خدا کی ذات سے اطاعت و انقیاد کا ایسا مستحکم تعلق استوار کردے کہ پھر اسے خدا کی ذات کے سوا کسی اور سے سروکار نہ ہو اور اگر سروکار ہو تو خدا کی ذات سے اطاعت و فرماں برداری کے نتیجہ میں ۔ خدا کی ذات سے اطاعت و انقیاد اور خوف و امید کا یہ تعلق انسان کے اخلاق اور کردار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی ذات لوگوں کے لئے امن و سلامتی کی ضمانت بن جاتی ہے اور وہ خود دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوجاتا ہے ۔ اسے خدا کے سوا کسی سے کوئی خوف نہیں ہوتا ہے اور نہ کوئی ہستی اس کے لئے مرکز امید ہوتی ہے ۔ خدا پر اعتماد اسے بے خوف بنا دیتا ہے اور خدا کی راہ میں ہر چیز یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کردینے کے لئے وہ آمادہ و تیار رہتا ہے ۔ اور اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات سے اطاعت و انقیاد کا تعلق کمزور ہے ۔

اسلام کا بنیادی کلمہ دو جزء پر مشتمل ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ۔ لا الہ الا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ۔ یہی کلمہ اسلام کی اساس ہے ۔ یہ اس بات کا اقرار ہے کہ کائنات کا بنانے والا اور چلانے والا ایک خدا ہے ۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں ۔ اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا اور وہ سب کا خالق ہے ۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ۔ اس کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں کی یا پتھر یا چاند ستاروں کی یا کسی بھی شی کی عبادت کرنا شرک ہے ۔ اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے ۔ اور اگر کسی نے شرک سے توبہ نہیں کی اور اسی حالت میں دنیا سے

چلاگیا تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیئے جہنم کی آگ ہے ۔ وہ ایک معبود جو اللہ ہے اس کے وجود کی نشانیاں پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ وہ خود آنکھوں سے نظر نہیں آتا لیکن اس کا جلوہ ہر جگہ موجود ہے ۔ پہاڑ اور دریا آفتاب و ماہتاب ، خیمہ افلاک ، زمین اور درخت ، لہلہاتی ہوئی فصلیں پھول اور پھل اور خود انسان کا وجود ایک خالق اور مالک کے ہونے کی گواہی دیتا ہے ۔ جب خالق اور مالک ایک ہے تو عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیئے ۔ اطاعت کا مستحق بھی وہی ہے ، فرمان برداری اسی ایک کی ہوگی ۔ سرنیاز اسی ایک کے آگے جھکے گا ۔ سجدہ اسی کے لئے روا ہوگا ۔

اسلام کا اپنا نظام عقائد ہے جس کی بنیاد توحید ہے عالم انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان توحید کا عقیدہ ہے ۔ یہ توحید اگرچہ دوسرے مذاہب میں بھی موجود تھی لیکن مرور زمانہ سے اور انسانی تصرفات اور خواہشات کے نتیجہ میں شرک سے آلودہ ہوچکی تھی ۔ مثال کے طور پر ہندو مذہب میں اخلاقی اور روحانی تعلیمات بھی موجود ہیں اس کا قدیم فلسفہ بھی ہے ۔ لیکن یہ مذہب مجموعہ اضداد بن چکا ہے ۔ جس میں توحید کے پہلو بہ پہلو شرک بھی موجود ہے اور عدم تعین کا حال یہ ہے کہ جو ملحد ہو وہ بھی ہندو ہے اسی طرح سے عیسائیت اگرچہ توحید کا دعوی کرتی ہے لیکن اس کے عقیدہ توحید میں تثلیث کی آمیزش ہوچکی ہے ۔ اسلام واحد دین ہے جو توحید کامل اور توحید خالص کی طرف بلاتا ہے توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی قوت کو کارساز اور حاجت روانہ سمجھے ۔ توحید انسانی شرف و عظمت کا سنگ بنیاد ہے کلام مجید شرک کی مذمت اور اس کی مضرت کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے ۔ قرآن کہتا ہے ۔ الھکم الله واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم۔

تمہار معبود تو وہی خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ بڑا رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ۔ (بقرہ ۱۹)

اس کلمہ پر انسان کا یقین دراصل اس بات کا یقین ہے کہ اس ایک معبود کے سوا کوئی بااختیار نہیں ۔ اس کے سوا کوئی طاقتور نہیں ۔ اس کے سوا کوئی نفع و ضرر کا مالک نہیں ۔ یہ یقین انسان کو بہادر اور بے خوف بنا دیتا ہے ۔ وہ صرف ایک ہستی

سے ڈرتا ہے جو خالق اور مالک ہے ۔ پھر ہر ایک چیز کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے ۔ اس طرح سے انسان اس کلمہ پر یقین کی بدولت یہ سمجھتا ہے کہ تمام نعمتیں جو اس کو ملی ہوئی ہیں اسی ایک مالک کی دی ہوئی ہیں ۔ یہ یقین اس کے اندر تواضع پیدا کرتا ہے ۔ وہ تکبر اور غرور سے بچتا ہے ۔ نعمتوں کے ملنے پر اتراتا نہیں ہے اور کوئی ناکامی اسے پژمردہ اور مایوس نہیں بناتی ہے ۔

پھر ایسے خدا پر یقین جو سمیع و علیم ہے اور حاضر و ناظر ہے انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے ۔ کیونکہ انسان یہ جانتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے ۔ وہ جس طرح سے نیک عمل پر جزا دیتا ہے اسی طرح سے وہ بداعمالی کی سزا بھی دیتا ہے ۔ خدا پر یقین انسان کو تنہائی میں بھی گناہ سے روکتا ہے اور نیک عمل پر آمادہ کرتا ہے ۔

اسلام کے کلمہ کا دوسرا جزء "محمد رسول اللہ" ہے یعنی اس بات کا اقرار کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔ نظام عقائد کا یہ دوسرا جزء ہے جس کا نام رسالت ہے ۔ رسالت اس لیئے ضروری ہے کہ اللہ تعالی اپنی ذات اور صفات کا علم اور اپنی مرضیات اور منہیات کی تفصیلات براہ راست ہر انسان کو نہیں بتاتا ہے ۔ وہ انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی رسالت کے لئے منتخب کرتا ہے ۔ اس پر اپنی وحی نازل کرتا ہے اور وہ رسول انسانوں کو اللہ کے احکام سناتا ہے ۔ اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے ۔ قیامت کی اور فرشتوں کی اور تقدیر کی خبر دیتا ہے اور روز قیامت جزا یا سزا کے ملنے کا یقین دلوں میں بٹھاتا ہے ۔ پیغمبر یا رسول لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف بلاتا ہے کیونکہ وہ خدا کا فرستادہ اور رسول ہوتا ہے ۔ اور رسول کی اطاعت سب پر واجب ہوتی ہے ۔ رسالت اس لئیے ضروری ہے کہ انسان تنہا اپنی عقل سے تمام حقیقتوں تک نہیں پہونچ سکتا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ خدا ہر ہر فرد سے کلام کرے اور ہر شخص کو اپنی باتیں بتائے ۔

رسالت کا عقیدہ اس لئیے قرین عقل ہے کہ جو خدا انسان کی چھوٹی سے چھوٹی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے ، اس کو پالتا ہے ، زمین کے کرہ پر رہنے اور بسنے کے تمام انتظامات اس نے کیے ہیں ، کیا وہ انسان کو اندھیرے میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دے گا

اور صحیح راستہ کی رہنمائی نہیں کرے گا؟ اگر خدا کا وجود عقل اور حقیقت پر بنی ہے تو نبوت و رسالت کا عقیدہ بھی عقل اور دلیل پر بنی ہے ۔ یہ رسول انسانوں کو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے ۔ اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ کی مرضی سے آگاہ کرتا ہے ۔

تمام رسول انسانوں کو یہ بتاتے آئے ہیں کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک ہے وہی انسان کا بھی پیدا کرنے والا ہے ۔ اور انسانوں کو اس کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جہاں تمام کاموں کا حساب دینا ہے ۔جہاں نیک لوگوں کو نیکی پر انعام اور برے لوگوں کو ان کی برائیوں پر سزا ملے گی ۔ پھر یہ پیغام سنانے والے اور اللہ کی مرضی سے آگاہ کرنے والے پیغمبر دنیا میں ہر جگہ آئے اور ہر زمانہ میں آئے ۔ لیکن ٹھیک ٹھیک اس بات کا علم کہ یہ رسول ہیں اللہ کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے قرآن میں جن پیغمبروں کا تذکرہ ہے اس سب پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ جن کا تذکرہ نہیں ہے ان کے بارے میں احتیاط مناسب ہے ۔ نہ تو بحیثیت رسول ان پر ایمان لانا ممکن اور نہ یقین کے ساتھ یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ رسول نہیں تھے کیونکہ پچھلے انبیاء کی اصل تعلیمات کو لوگوں نے بھلا ڈالا یا ان میں ترمیم کرلی اور اس طرح سے ان کی اصل تصویر باقی نہیں رہی ۔ ممکن ہے وہ نبی ہوں اور ممکن ہے کہ نبی نہ ہوں ۔

پیغمبروں پر اللہ کی کتاب نازل ہوتی ہے ۔ قرآن نے چیلنج کیا کہ اگر تم اسے اللہ کی کتاب نہیں مانتے ہو تو ایک سورہ بھی اس جیسی بنا کر دکھادو لیکن صدیاں گزر گئیں انسان ایک سورہ تو کیا چند آیتیں بھی اس جیسی بنا کر نہیں دکھا سکا ۔ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اعلیٰ مضامین سے لبریز ہوتی ہے ۔ اور انسانی عقل اس جیسا کلام پیش کردینے سے عاجز ہوتی ہے ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ یہ انسان جس پر خدا کی کتاب اتری ہے پیغمبر ہے ۔ اس کے علاوہ پیغمبر کی بے داغ زندگی اس کا اعلیٰ کردار ۔ اس کا خلوص اس کا ہر عمل اس کے پیغمبر ہونے کا ثبوت ہوتا ہے ۔ وہ ہمیشہ نیکی اور صداقت کی تعلیم دیتا ہے ۔ اور وہ جو کہتا ہے اسے کرکے دکھاتا ہے ۔ اس کی ہر پیشین گوئی صحیح

ثابت ہوتی ہے وہ اپنی دعوت پیش کرنے میں ہر طرح کی تکلیف برداشت کرتا ہے اور لوگوں سے کسی انعام یا اجر کا طالب نہیں ہوتا ہے۔ پیغمبروں کو معجزے بھی دے جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس بات کی شہادت بن جاتی ہیں کہ وہ پیغمبر ہے اور پیغمبر پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اور اس کے بغیر انسان کو نجات نہیں حاصل ہوسکتی ہے۔ پیغمبروں نے یہ دعوی کبھی نہیں کیا کہ وہ نئی ایجادات انسانیت کو بخشیں گے اور سائنس سے یا فلسفہ سے آگاہ کریں گے یا وہ ٹکنولوجی سکھائیں گے جس سے مشین تیار ہوسکے اور زندگی پر راحت بن سکے۔ تمام پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی قوم کو یہ بتایا کہ وہ کائنات کے بنانے والے اور چلانے والے کے بارے میں صحیح علم عطا کرتے ہیں اس کی صفات بتاتے ہیں اس کی مرضی سے آگاہ کرتے ہیں۔ پیغمبر صحیح علم پر مضبوط یقین بھی بخشتے ہیں اور اس علم ویقین پر عمل کرنے کا جذبہ بھی اپنی تربیت اور تزکیہ نفس کے ذریعہ عطا کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور دنیا کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے اور اللہ کی مرضی کا علم صرف ان کے واسطہ سے دنیا کو مل سکتا ہے۔ اور مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہے جہاں اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا۔ ہزاروں پیغمبر آئے لیکن یہ تعلیمات سب کے درمیان مشترک ہیں اور کسی پیغمبر کو اس کے کسی جزء سے اختلاف نہیں ہے۔

لیکن ہمیشہ ایسا ہوا کہ پیغمبروں کی تعلیم کو لوگوں نے بھلا دیا یا بدل ڈالا جب چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ آیا تو عالم گیر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ انبیاء کا لایا ہوا دین اور ان کا پھیلایا ہوا یقین اس اندھیرے میں گم ہوگیا تھا خانہ کعبہ میں جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی عبادت کے لیئے تعمیر کیا تھا تین سو ساٹھ بت تھے۔ ہر قبیلہ کا بت جدا تھا۔ توحید کے بجائے دنیا پر شرک کا سایہ تھا۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی کہیں کہیں جگنو کی طرح چمکتی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام بنی نوع انسان کے لیئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیرہ العرب میں مبعوث کیا گیا اور ان کو اسلام کی تعلیم اور شریعت دے کر کہا گیا کہ وہ دنیا میں اس کو پھیلا دیں اور ان کے بعد قیامت تک اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا اور ان پر نازل کی گئی کتاب

(قرآن) م کے بارے میں اللہ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا اور ہر ترمیم و تحریف سے بچائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تمام آسمانی کتابوں میں یہ تنہا قرآن کا امتیاز ہے کہ اس کا ایک ایک حرف ایسا ہی ہے جیسا کہ نزول کے وقت تھا۔ نہ انجیل نہ تورات نہ زبور اور نہ وید کوئی کتاب اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہی۔ بعض کتابوں کے بارے میں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کس زمانہ میں آئی اور اس کے لانے والے کون لوگ تھے ان کی حیثیت بس داستانوں کی باقی رہ گئی ہے۔ قرآن جو آخری کتاب ہے اور رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے دستور ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ کلمہ طیبہ کے دوسرے جزء کا مطلب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان کے احکام پر عمل کرنا اور قرآن کو اپنا دستور حیات بنانا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھ کر انسان مسلمان ہوتا ہے اور گویا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کرے گا۔ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی بے چوں چرا تعمیل کرے گا اور قرآن سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرے گا۔

توحید اور رسالت کے بعد اسلامی نظام عقائد کا اہم رکن آخرت کا عقیدہ ہے۔ یعنی مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے جہاں اس دنیا کی زندگی کے تمام کاموں کا حساب لیا جائے گا۔ اچھے کام کرنے والوں کو ثواب اور برے کام کرنے والوں کو برے کام کا عذاب ملے گا۔ اس دن کا نام یوم الحساب بھی ہے اور یوم الدین بھی یعنی بدلہ پانے کا دن۔ یہ دنیا جہاں ہر روز مشرق سے سورج طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں ڈوب جاتا ہے، جہاں راتوں کو آسمان پر ستاروں کی بزم آراستہ ہوتی ہے، اور چاند اپنی روپہلی روشنی کی خوبصورت چادر پھیلا دیتا ہے ایک دن ایک زلزلہ اور دہشت انگیز دھماکہ کی آواز کے ساتھ ختم ہوجائے گی۔ دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور اس طرح سے کائنات کے شکست و ریخت کا اعلان کردیا جائے گا، ستارے جھڑنے لگیں گے۔ پہاڑ چلنے لگیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح فضا میں ادھر سے ادھر ہونے لگیں گے۔ روئے زمین پر جتنے انسان ہوں گے ان سب پر موت طاری ہوجائے گی۔ کوئی ذی حیات مخلوق زندہ باقی نہیں رہے گی۔ پھر صور کی

ایک اور آواز سے تمام مردے جی اٹھیں گے ۔ اور دنیا جب سے بنی ہے اس وقت سے جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے اور مرتے رہے ہیں ان سب کو زندہ کردیا جائے گا۔ اور دنیا کا بنانے والا چلانے والا انسانوں کو پیدا کرنے والا اور انسانوں کی ہدایت کے لئے رسولوں کو بھیجنے والا اپنے تمام بندوں سے ان کے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ جن لوگوں نے اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ۔ غیراللہ کی پرستش کا گناہ اپنے سب پر نہیں لیا ۔ خدا کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت میں زندگی گزاری ۔ نیک اعمال سے اپنے دل کو اور معاشرہ کو صاف ستھرا رکھا اچھے اخلاق اور اچھے کردار کا وزن ان کے نامہ اعمال میں پایا گیا ۔ ان کے لئے جنت اور اس کی تمام نعمتیں ہوں گی۔ اس گروہ کے مقابلہ میں وہ لوگ ہوں گے جن کے دامن پر شرک یعنی غیر اللہ اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا داغ لگا رہا جو خدا کے باغی اور نافرمان ہوئے جنہوں نے اس کے رسولوں کے انکار یعنی کفر میں زندگی گزاری اور پھر اسی حالت میں دنیا سے چلے گئے وہ حساب کے دن مجرم ہوں گے ۔ دوزخ اور اس کے عذاب کے مستحق ہوں گے ۔ یہ وہ دن ہوگا جب ہر نیکی پر انعام دیا جائے گا اور ہر گناہ کی سزا دی جائے گی۔

یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے کسی کو دولت و آسائش سے نواز کر کے اس کا امتحان لیا جاتا ہے اور کسی کو فقر و فاقہ اور بیماری میں مبتلا کرکے آزمایا جاتا ہے ۔ یہاں لوگوں کو موقع دیا گیا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ خدا لوگوں کے کاموں میں مداخلت نہیں کرتا ہے اور نہ گناہوں اور برے کاموں پر فورا پکڑتا ہے ۔ یہ دنیا امتحان ہال ہے جہاں ہر شخص کو اپنا اپنا پرچہ حل کرنا ہے ۔ خدانے انسانوں کو صحیح راستہ بتانے کے لئے پیغمبر اور ہادی بھی بھیجے ۔ انسان کی فطرت میں نیکی کی طلب بھی رکھی اور انسان کو عقل بھی عطا کی۔ لیکن جو شخص اپنی ہی فطرت کو برائیوں پر ڈھیٹ ہو کر بگاڑ دے ۔ عقل کو استعمال نہ کرے ۔ پیغمبروں کی بات نہ مانے اور دنیا کو اپنی حرکتوں سے جہنم کا نمونہ بنادے ۔ کسی کی جان لے لے کسی کا مال چھین لے ۔ کسی کی عزت اتار لے ۔ اس کا انجام اور نیک صالح اور اللہ سے ڈرنے والوں اور اچھی زندگی گزارنے والوں کا انجام برابر نہیں ہوسکتا ہے ۔ اور عقل یہی کہتی ہے ہے کہ برابر نہیں ہونا چاہیئے ۔

اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کا مکمل رکارڈ تیار ہوتا ہے ۔ جو کچھ کہا جارہا

ہے جو خیال بھی آدمی کے دل میں گزرتا ہے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس کی زبان سے جو لفظ بھی نکلتا ہے وہ رکارڈ کرلیا جاتا ہے۔ انسان کی ہر نقل و حرکت کی پوری فلم تیار ہورہی ہے۔ انسان کی پوری زندگی نامہ اعمال کی شکل میں آخرت کے دن پیش کردی جائے گی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی خبر ہر زمانہ میں پیغمبروں نے دی ہے۔ ہزاروں لاکھوں پیغمبروں نے اس حقیقت کی تلقین کی ہے۔ جو اس حقیقت کو جھٹلاتا ہے وہ کسی ایک پیغمبر کو نہیں جھٹلاتا بلکہ تمام پیغمبروں کو جھٹلاتا ہے اور خود اپنے لئے خطرہ مول لیتا ہے اور یہی وہ اخرت کا عقیدہ ہے جو ہر ایمان لانے والے کے سینہ میں پولس کی چوکی بیٹھا دیتا ہے۔ وہ ہر گناہ کرنے سے ڈرتا ہے چاہے کوئی انسانی آنکھ اسے دیکھ رہی ہو یا نہ دیکھ رہی ہو۔

اسلام کا عبادت کا نظام بھی بہت جامع اور مکمل ہے۔ اور ان عبادات کی ادائیگی سے بندہ اور خدا کا تعلق استوار ہوتا رہتا ہے۔ اور اسلام کا مقصد ہی انسان کو عبادت گزار بندہ بنانا ہے۔ عبادت کے مفہوم میں والہانہ تعلق اور پرستش کے ساتھ اطاعت کا مفہوم بھی داخل ہے اور اس اعتبار سے بندہ اپنی شب وروز کی زندگی میں ہر وقت مصروف عبادت رہتا ہے۔ عبادت کے نظام میں نماز، روزہ، زکوہ اور حج کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے ان کو ارکان عبادت کہا جاتا ہے یعنی عبادت کی عمارت ان چار ستونوں پر قائم ہے۔ یہ عبادتیں فرض ہیں اس لئے ان کو فرائض بھی کہا جاتا ہے۔

ان فرائض میں پہلا فرض نماز ہے جو دن اور رات میں ملا کر پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔ نماز میں رخ خانہ کعبہ کی طرف کیا جاتا ہے جو ہندوستان سے مغرب میں واقع ہے۔ نماز میں قرآن مجید کی سورتیں اور آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ سورہ فاتحہ ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اس میں اس بات کا بندہ کی طرف سے اقرار ہے کہ خدا ایک ہے وہ رب العالمین ہے وہ رحمن اور رحیم ہے وہ مالک یوم الدین یعنی جزا کے دن کا مالک ہے وہی جزا اور سزا کے قانون کا بتانے والا ہے۔ اسی مہربان ذات کی حمد و ثنا اور محبت و عبادت انسان کا پہلا فرض ہے۔ نماز میں رکوع اور سجود بھی ہے انسان خدا کے آگے جسمانی طور پر جھک کر کے اپنے قلبی جھکاؤ کا اعلان کرتا ہے۔

نماز باجماعت مسجدوں میں ادا کی جاتی ہے ۔ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے لیکن گھر پر نماز کو افضل قرار دیا گیا ہے ۔ نماز سے پہلے مسجد میں اذان دی جاتی ہے اذان میں خدا کی کبریائی اور عظمت کا اور کلمہ شہادت کے ذریعہ توحید اور رسالت کا اعلان کہا جاتا ہے اور فضاء کائنات میں اذان کے الفاظ رچ بس جاتے ہیں۔ لوگوں کو نماز کے لئے مسجدیں بلایا جاتا ہے ۔ سورج نکلنے سے بہت پہلے صبح الٰہی حقیقت کے اعلان اور اذان سے طلوع ہوتی ہے ۔

دوسرا فرض روزہ ہے ۔ یہ رمضان کے ایک مہینہ میں رکھا جاتا ہے ۔ رمضان کے مہینہ میں قران کا نزول ہوا تھا ۔ تصفیہ قلب اور تقوی کا حصول روزہ کا مقصد ہے ۔ یہ صبر کی مشق ہے ۔ خدا کی خوشنودی کے مقابلہ میں خواہشات نفس سے باز آنے کی ریاضت ہے رمضان کے مہینہ میں تیس دنوں تک مسلمان کی تربیت ہوتی ہے ۔ روزہ میں دن میں ایک لقمہ بھی کھانا اور ایک قطرہ بھی پانی پینا منع ہے ۔

تیسرا فرض زکوۃ ہے جسے اللہ تعالی نے ہر مسلمان مالدار پر فرض کیا ہے مال کی ایک مخصوص رقم اور سونے یا چاندی کے ایک خاص وزن پر زکوۃ فرض ہوتی ہے ۔ کسی غریب رشتہ دار محتاج مسکین مسافر وغیرہ کو یہ رقم دی جاتی ہے ۔ گویا مال کی مخصوص مقدار کو غریبوں پر خرچ کرنا مال دار پر فرض ہے ۔ یہ دولت کا ڈھائی فی صد حصہ ہے ۔ نماز اور روزہ کی طرح زکوۃ بھی فرض ہے ۔ اس کا مقصد قربانی ایثار سخاوت کا جذبہ پیدا کرنا اور بخل و حرص سے اور حب مال سے انسان کو بچانا ہے ۔ اسلام میں دولت لکشمی نہیں ہے جس کی پوجا کی جائے بلکہ صدقہ اور زکوۃ خیرات کے ذریعہ اس کی محبت دل سے نکالی جاتی ہے ۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں اقتصادی فرق اور تفاوت کم سے کم ہوتا ہے اور کوئی بھوکا اور ننگا نہیں رہتا ہے ۔

چوتھا فرض حج ہے ۔ صاحب حیثیت انسان کے لئے عمر میں ایک بار مکہ معظمہ جا کر حج کرنا فرض کیا گیا ہے ۔ مکہ معظمہ میں ایک گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کے لئے بنایا تھا ۔ اللہ تعالی نے ان کے ایثار، جذبہ قربانی اور عبدیت کے اظہار کی ایسی قدردانی کی کہ ان کی بنائے ہوئے گھر کو اپنا گھر قرار دیا اور حکم دیا کہ جس کو میری عبادت کرنی ہو وہ اس گھر کی طرف رخ کرکے عبادت کرے اور عمر میں ایک

بار اس گھر کی زیارت کے لئے آئے اور جس گھر کو ابراہیم نے بنایا تھا اس کا طواف کرے ۔ حج بھی بڑی عبادت ہے یہ جانی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ۔ انسان خدا کی محبت میں اپنے کاروبار اور دنیوی مصروفیات کو چھوڑ کر سفر کی زحمت برداشت کرتا ہے اور ایک بہت بڑی رقم خرچ کرکے اس سرزمین تک پہونچتا ہے جہاں یہ گھر واقع ہے ۔ جب وہ سرزمین حجاز تک پہونچتا ہے تو محبت کی آگ اس کے دل میں بھڑک اٹھتی ہے وہ مکہ اور مدینہ کی زیارت کرتا ہے اور اسلام کے ساتھ اس کی وابستگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے ۔

نظام عبادت کا مقصد اللہ کی ذات سے تعلق اور اس کی بندگی اور فرماں برداری ہے اور انسان کی روحانی نشو و نما بھی اسی سے ہوتی ہے ۔ اسلام کے روحانی نظام کی دو بنیادیں ہیں ایک تعلق مع اللہ دوسرے خوف آخرت ۔ ایمان جس قدر مضبوط ہوگا آخرت کا استحضار جتنا زیادہ ہوگا بندہ عبادت و ذکر کے ذریعہ جس قدر زیادہ قرب خداوندی حاصل کرے گا اسی قدر روحانیت میں اضافہ ہوگا ۔ روحانیت گویا نام ہے تزکیہ نفس کا اور نفس کی آلائشوں سے حفاظت کا ، اللہ سے محبت و خوف کا اور رضائے الٰہی کی کوششوں میں ترقی کا ۔ اسی کا نام احسان بھی ہے ۔ دین اسلام میں یہ گویا بنیاد کا پتھر ہے ۔ جس شخص کو یہ چیز حاصل نہیں تو اس کا دین بے روح ہے اور صرف ڈھانچہ ہے ۔ روحانیت کے بغیر انسان کی شخصیت کی تعمیر نہیں ہوسکتی ہے ۔ روحانی تربیت کے بغیر اچھا انسان پیدا نہیں ہوسکتا ہے ۔ ہماری زندگی میں جو کرپشن ہے جو اخلاقی گراوٹ نظر آتی ہے معیار زندگی کی جو ریس دکھائی دیتی ہے اس کی بنیادی وجہ روحانیت کا فقدان ہے ۔ تعلق باللہ اور خوف آخرت کے بغیر نہ روحانی ترقی ممکن ہے اور نہ اخلاقی بلندی کا حصول ۔

اسلام کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس نے انسان کی ساری مخلوقات پر فضیلت کا اعلان کیا اور اس کے سر پر منصب خلافت کا تاج رکھا ۔ اس سے بڑھ کر انسانی عظمت کا اور کوئی دوسرا تصور نہیں ہوسکتا ۔ شیطان نے جب انسان کی عظمت کا انکار کیا اور آدم کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوا تو اسے ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ کہا گیا ۔ قرآن میں اس کا تذکرہ ہے ۔

"اور وہ وقت یاد کرو جب سارے پروردگا نے فرشتوں سے کہا کہ میں اس زمین پر خلیفہ اور نائب بنانا چاہتا ہوں وہ بولے کیا تو ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے اور خون ریزی کرے ۔ ہم تیری تعریف سے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں ۔ اللہ نے فرمایا یقیناً میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سارے نام اور حقائق اشیاء سکھادے ۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان کے نام مجھے بتلاؤ اگر تم سچے ہو ۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ تو نے ہم کو سکھایا ۔ بے شک تو بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے اللہ نے فرمایا اے آدم تم ان کو ان کے نام بتاؤ پس جب آدم نے ان کے نام بتادیئے تو اللہ نے فرمایا کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں میرے علم میں ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو میں سب جانتا ہوں ۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا اس نے انکار کیا اور تکبر میں آیا ۔ اور وہ کافروں میں تھا ۔"

اسلام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس نے انسانی مساوات کی تعلیم دی ۔ اسلام سے پہلے خدا کی مخلوق رنگ و نسل حسب و نسب اور دولت اور پیشوں میں منقسم ہوچکی تھی ۔ انسانی برادری تفاوت کا شکار تھی ۔ طبقاتی تقسیم کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں جو طبقہ جس دائرہ سے تعلق رکھتا تھا اسے باہر نہیں نکل سکتا تھا ۔ ہندوستان کا ہندو مذہب طبقاتیت کا سب سے زیادہ شکار تھا ۔ بودھ مذہب نے اس کے خلاف بغاوت کی اور مساوات کا درس دیا اور اخوت کا پیغام دیا اور گری ہوئی انسانیت کو کسی قدر اٹھانے کی کوشش کی لیکن برہمنیت پھر غالب آگئی اور اس نے بودھ مذہب کو ہندوستان سے اکھاڑ کے پھینک دیا ۔ نسلی امتیازات سے بھری ہوئی دنیا میں اسلام نے اعلان کیا کہ اخلاق و کردار اور حسن عمل در حقیقت عزت و شرف کا معیار ہے ۔

" ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم "۔ " بے شک تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے ۔"

قرآن نے اس بات کا اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے بنے ہوئے تھے ۔

اس اعلان نے حسب و نسب ، رنگ و نسل ، آقا و غلام اور ادنیٰ و اعلیٰ کے سارے امتیازات ختم کردیئے اور تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا ۔ سلمان فارسی ، صہیب رومی اور بلال حبشی جو مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے تھے ۔ اور غلام تھے اسلام کے بعد شرف میں قریش کے ہم مرتبہ قرار پائے اور بہتوں سے بہتر قرار دیئے گئے ۔

یہ بھی اسلام کا امتیازی وصف ہے کہ اس میں خدا اور بندے کے درمیان ذریعہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔ انسان پیغمبر کی تعلیم پر عمل کرکے قرب خداوندی حاصل کرسکتا ہے ۔ اسلام میں پاپائیت کا نظام نہیں ہے جس میں پادریوں کو مغفرت و نجات کا اختیار دیا گیا ہے اور نہ اس میں وہ برہمنی نظام ہے جس میں ایک مخصوص طبقہ کے ذریعہ عبادت کی رسمیں انجام دی جاتی ہیں جن مذاہب نے قرب خداوندی کے لئے وسیلہ اور ذریعہ کو لازمی قرار دیا ان میں ایک طبقہ وجود میں آگیا جس نے اپنے لئے مذہبی اجارہ داری قائم کرلی ۔

اسلام کا ایک بہت بڑا امتیاز یہ بھی ہے کہ اس نے دین اور دنیا کی جامعیت کا عقیدہ پیش کیا ۔ اس نے دین اور دنیا کو ، جسم اور روح کو ایک دوسرے کی ضد نہیں قرار دیا ۔ بلکہ ایک کو دوسرے کا تکملہ قرار دیا ۔ قرآن میں یہ دعا سکھائی گئی ہے ۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنہ و فی الاخرہ حسنہ وقنا عذاب النار ۔

" اے ہمارے پروردگار دنیا میں بھی ہم کو بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو آتش دوزخ کے عذاب سے بچا ۔ "

اسلام نے روح کے ساتھ جسم کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے اور ایسی نفس کشی سے منع کیا ہے جس سے جسم کے حقوق کی پامالی ہوتی ہو ۔ اس نے رہبانیت اور

ترک دنیا کو حرام قرار دیا ہے ۔ اور عبادات تک میں بھی غلو سے روکا ہے ۔ اکثر مذاہب میں عبادات و ریاضت میں غلو کو دین داری کا معیار مانا جاتا ہے اور روحانی تزکیہ و تطہیر کے لئے ہر قسم کے جسمانی مجاہدات کو لازمی تصور کیا جاتا ہے اور جسم و بدن کو تکلیف مالایطاق دی جاتی ہے اور ایسی دردناک اذیتیں دی جاتی ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اسلام نے دین اور دنیا کو جو جامع نظام پیش کیا ہے اس میں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے لذت اندوز ہونا معیوب نہیں۔ نکاح کی ترغیب دی گئی ہے اور دین کو آسان اور قابل عمل بتایا گیا ہے ۔ اور عبادت وریاضت میں خود ساختہ مشقتوں سے منع کیا گیا ہے قرآن میں حکم دیا گیا ہے ۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان چیزوں کو حرام نہ کرو جن کو اللہ تعالی نے حلال کیا ہے اور حد سے آگے نہ بڑھو ، اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے اس کو کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو (مائدہ ۔ ۱۱)

اسلام نے جسمانی زیب و زینت کو بھی ترک کرنے سے روکا ہے بلکہ عبادت کے اوقات میں اس کو اختیار کرنے کی تاکید کی ہے ۔ اسلام نے گداگری اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے ۔ کسب رزق کا حکم دیا ہے تاکہ انسان حقوق العباد کو بھی ادا کرسکے ۔ اور انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ و خیرات کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے ۔ قرآن میں حکم ہے ۔

فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله (قصص ۲) خدا کے فضل (معاش) کی تلاش کے لئے زمین پر پھیل جاؤ۔

بعض احادیث میں دنیاوی ساز و سامان اور چند روزہ عیش و عشرت کی مذمت اور تحقیر بھی آئی ہے ۔ اس سے بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے ۔ دراصل آخرت کے مقابلہ میں متاع دنیا کو حقیر کہا گیا ہے تاکہ دنیا کی حرص اور آخرت فراموشی نہ پیدا ہو اور آخرت کی قیمت پر انسان دنیا حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اگر دنیا حاصل ہوتی ہو تو زہد اختیار کرے لیکن اس میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے دراصل اسلام دین فطرت ہے اور فطرت سے روگردانی مضرت و نقصان کو مستلزم ہے

۔ ترک دنیا سے انسانی معاشرہ درہم برہم ہوجاتا ہے انسانی حقوق پامال ہوتے ہیں انسان خلافت اور نیابت الٰہی کے فریضہ سے فرار اختیار کرتا ہے ۔ علم و ایجاد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے جو دین پوری انسانیت کے فلاح کا ضامن ہو وہ ترک دنیا کی تعلیم نہیں دے سکتا ہے ۔ ترک دنیا اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالی کے مقرر کردہ حقوق و فرائض کا ادا کرنا ناممکن ہوجاتا ہے دوسری طرف دنیوی عیش و آرام کو مقصود زندگی بنا لینا بھی جائز نہیں ہے ۔ مقصود زندگی اللہ کی بندگی ہے نہ کہ دنیوی ساز و سامان ۔ لیکن اللہ کی نعمتوں سے جائز تمتع درست ہے ۔ اسلام زندگی کا ایسا جامع نظام عطا کرتا ہے کہ جسم اور روح دونوں کی ضرورتیں پوری ہوں اور دونوں کو اپنے دائرہ میں ترقی اور نشوو نما کا موقع ملے ۔

چونکہ اسلام کی امتیازی صفت دین اور دنیا کی جامعیت ہے اس لئے وہ زندگی گزارنے کا ایک مکمل نظام بھی ہے ۔ اسلام کے سیاسی نظام میں اقتدار اعلیٰ کی مالک اللہ کی ذات ہے ۔ اللہ کے بعد لائق اطاعت پیغمبر ہے ۔ قران کے بعد سنت نبوی اسلامی حکومت کے دستور کی اساس ہے ۔ اللہ اور رسول کے بعد اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔ حالات اور زمانہ کی تبدیلی سے قرآن و سنت کی روشنی میں قانون کی نئی تعبیر ممکن ہے جسے اجتہاد کہتے ہیں ۔ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے دئے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرے اور تدبیر امور میں اہل علم سے مشورہ کرے اسلام کا نظام حکومت شورائی نظام ہے اور اس کی روح جمہوری ہے ۔ جمہور اپنی مرضی سے امیر یا خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں ۔ حکومت سازی کے لئے رہنما اصول طے کردے گئے ہیں ۔ رہنما اصولوں کی روشنی میں حالات کے لحاظ سے ترمیم و تغیر کی گنجائش موجود ہے ۔

اسلام کے معاشی نظام میں ذاتی ملکیت کا حق تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس بات کا اہتمام موجود ہے کہ دولت سمٹ کر چند اشخاص کے ہاتھ میں نہ چلی جائے ۔ زکوۃ اور خمس اور میراث کی تقسیم کا حکم اسی بات کی واضح دلیل ہے ۔ اجتماعی مفاد کا خیال رکھا گیا ہے ۔ استحصال سے روکا گیا ہے احتکار کی ممانعت کی گئی ہے جس کی وجہ سے مصنوعی طور اشیاء کا رخ بازار میں بڑھتا ہے ۔ سود چونکہ مجموعی معاشی مفاد کے خلاف ہے اس لئے اس سے سختی سے روکا گیا ہے اور سودی لین دین کو حرام قرار دیا گیا ہے ۔ ایسے احکام

دے گئے ہیں جن سے سماجی عدل قائم ہو اور اخوت اور مساوات کی نشوو نما ہو اور غلامی کا خاتمہ ہو اور معاشرہ میں فقر و افلاس باقی نہ رہے ۔

سیاسی اور معاشی نظام کی طرح اسلام کا اپنا تہذیبی سماجی اخلاقی اور روحانی نظام بھی ہے اسی مکمل نظام کے بروئے کار آئے بغیر دین اسلام کی برکتوں کا ظہور ممکن نہیں ہے ۔ صرف انفرادی عبادات کے ذریعہ انسانیت کا چمن بہار آشنا نہیں ہوسکتا ہے ۔ اسی لئے دین کی دعوت پر جتنا زور اسلام میں ہے کسی اور مذہب میں نہیں ۔ لیکن دعوت کے لئے حکمت و موعظت کا حکم بھی دیا گیا ہے ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کردیا گیا ہے کہ دین میں کوئی زور و زبردستی نہیں ۔ اگر کسی نے زور زبردستی سے کام لیا تو یہ اس کا اپنا فعل ہے اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔ لیکن اپنے دفاع کے لئے مدافعانہ جنگ جائز ہے جس کا نام جہاد ہے اور انسانوں کو ظالم کی چیرہ دستی سے بچانے کے لئے حالات کے لحاظ سے مصلحانہ جنگ کی بھی گنجائش موجود ہے ۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت اور حسن سلوک اور اخلاق پر زور سب سے زیادہ ہے ۔ دلوں کو فتح کرنے کا کام ہمیشہ اخلاق کی تلوار کے ذریعہ کیا گیا ہے ۔ نرمی لطف اور مدارات کے حکم سے قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں بھری ہوئی ہیں ۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اس کا عملی نمونہ پایا جاتا ہے ۔ رحم عفو و درگزر کی تاکید ہے اور ظلم کی مذمت. عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور صلہ رحمی کی دعوت دی گئی ہے ۔ والدین کے حقوق ادا کرنے کا سب سے زیادہ حکم ہے ۔ عورتوں کو وراثت میں حصہ دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ اور سماج پر ان کا مرتبہ و مقام مردوں کے برابر رکھا ہے ۔

یتیموں کی خبر گیری کے لئے خدائی فرمان موجود ہے ۔ لڑکیوں کی پرورش اور پرداخت کے سلسلے میں فضیلت آئی ہے ۔ اولاد کی اچھی تربیت کے لئے احکام موجود ہیں ۔ فقراء اور مساکین کی مدد کے لئے تاکیدی احکام موجود ہیں ۔ جانوروں اور ہر ذی حیات کا خیال کرنے اور ان پر ظلم نہ کرنے اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹنے کی تلقین ہے ۔ نباتات اور بعض حیوانات کو غذائی اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہے ۔ پڑوسیوں اور مہمانوں کے حقوق بھی بتائے گئے ہیں ۔ اور مسلمانوں کے باہمی

حقوق بھی سمجھائے گئے ہیں ۔ عام انسانی برادری کے حقوق ادا کرنے کے لئے واضح ہدایات دی گئی ہیں ۔ علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ حیا، عفت و عصمت صحت اور نظافت و طہارت کی تلقین کی گئی ہے ۔ جھوٹ غیبت فحش گوئی دشنام طرازی عیب جوئی اور تہمت اندازی سے روکا گیا ہے ۔ شراب، جوئے اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اخلاقی اقدار پر مبنی معاشرہ تیار کر کے ہمیشہ کے لئے تاریخ میں ایک نمونہ قائم کر دیا گیا ہے ۔ یعنی پندو موعظت کے صرف زبانی درس پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ نیکی اور پاکیزگی کا عملی نظام قائم کر کے دکھا دیا گیا ہے سیرت سازی کے لئے اخلاقی تعلیمات اس قدر مکمل اور جامع ہیں کہ کوئی شخص ان کو پڑھ کر ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا ہے ۔ سیرت کی کتابوں میں اور خلافت راشدہ کے عہد میں اس کے جو نمونے ملتے ہیں چشم فلک نے اس سے بہتر نمونے نہیں دیکھے ۔

اسلام دین کامل اور دین مفصل بن کر اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکام کے ساتھ آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ۔ اس دین کے لئے جو شروع سے اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے اسلام تھا ۔ اب اصطلاحی نام بھی اسلام رکھ دیا گیا ۔ آپ کو آخری نبی اس لئے کہا گیا کہ آپ کی تعلیم دائمی حیثیت رکھتی ہے اور آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اس کی تحریف و تغیر سے حفاظت کر دی گئی ۔ تمام مذاہب کی کتابوں میں وہ واحد کتاب ہے جو اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے ۔ خود آخری پیغمبر کی سیرت حیات کا ہر پہلو تاریخ کی مکمل روشنی میں ہے ۔ ہندو مذہب کو سب سے قدیم مذہب ہونے کا دعوی ہے لیکن اس مذہب کے پیشواؤں میں سے کسی کے بارے میں یقین سے نہیں معلوم کہ وہ کس زمانہ میں آئے تھے ۔ ہر ایک کی زندگی تاریخ کے پردہ میں گم ہے ۔ بودھ مذہب کی حکومت ہندوستان سے نکل کر ایشیا کے متعدد ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی ۔ لیکن کسی مورخ کے بس کی بات نہیں کہ اس مذہب کے بانی کی داستان حیات قلم بند کر سکے خدا یا توحید کا عقیدہ جو مذہب کی جان ہے اس مذہب کی تعلیمات کا ایک فراموش شدہ سبق ہے ۔ یسوع مسیح یعنی حضرت عیسی کا زمانہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چھ سو سال پہلے ہے لیکن ان کی زندگی کے آخری تین برسوں کے واقعات انجیلوں میں ملتے ہیں ۔ یہ انجیلیں بھی ان کی زندگی کے بہت بعد

میں لکھی گئیں اور ان کے لکھنے والوں نے خود حضرت عیسیٰ کو نہیں دیکھا تھا ۔ عیسائی دنیا کے بعض نقاد حضرت عیسیٰ کے وجود کو فرضی مانتے ہیں ۔ پیشوایان مذاہب میں سے کسی کی زندگی تاریخ کی روشنی میں نہیں ہے اور اس لئے وہ زندگی انسانیت کے لئے پورے طور پر نمونہ عمل نہیں بن سکتی ہے ۔ ان پیشواؤں کی قبر تک کا نام و نشان مٹ چکا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو یہی منظور تھا کہ ان کی سیرت کا تفصیلی نقش اور ان کی عطا کی ہوئی تہذیب دنیا میں باقی نہ رہے اور دائمی اور مفصل نقش کے لئے ایک آخری پیغمبر کو بھیجا جائے ۔

رنگ جما کے اٹھ گئی کتنے تمدنوں کی بزم
یاد نہیں زمین کو بھول گیا ہے آسماں

آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تمام پیشوایان مذاہب میں یہ امتیاز صرف ان کو حاصل ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک کا ان کا ہر نقش قدم روشن اور تابناک ہے ۔ یہ ان ہی کا نام ہے جو روزانہ پانچ مرتبہ دنیا کے ہر چپہ چپہ سے اللہ کے نام کے ساتھ اذان کے ذریعہ فضاء بے کراں میں بلند ہوتا ہے ۔ سیکڑوں کتابیں آپ کی زندگی کے بارے میں لکھی جاچکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی ۔

نیا ہے لیجئے جب نام ان کا
بڑی وسعت ہے ان کی داستاں میں

اسلام کے تعارف اور دعوت کا کام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پھیل گیا تھا ۔ آپ نے دنیا کے فرماں رواؤں اور حکمرانوں کو دعوت اسلام کے لئے خطوط لکھے تھے ۔ متعدد خطوط آج بھی محفوظ ہیں ۔ اسلامی دعوت کے نتیجہ میں دنیا کے ملکوں میں کروڑوں مسلمان رہتے ہیں اور دنیا کی ایک چوتھائی آبادی حلقہ بگوش اسلام ہے ۔

دنیا کے مذاہب میں اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کا اب آخری اور مستند ایڈیشن ہے ۔ انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کی مرضی سے آگاہ کرتا ہے اور آخرت کی نجات کا ضامن ہے ۔ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ آخرت میں نجات حاصل کرنا اور جنت کی نعمتوں کی مستحق بنا توحید یعنی ایک اللہ کے وجود پر ایمان اور آخری

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کے بغیر ممکن نہیں اور یہ بات دنیا میں عقل و سمجھ کے ساتھ زندگی گزارنے والے ہر شخص کے لئے ایک الارم اور خطرہ کا نشان ہے۔

ایک شخص موٹر سو کیلومیٹر کی اسپیڈ سے کسی سنسان راستہ پر چلا رہا ہو اور بالکل اچانک اسے خوب جلی اور لال حرفوں میں سامنے سڑک پر خطرہ (DANGER) لکھا ہوا ایک بورڈ نظر آجائے، ایک بے پرواہ انسان ہوسکتا ہے کہ اس لکھے ہوئے کو خاطر میں نہ لائے اور اسی اسپیڈ سے آگے بڑھتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کی گاڑی آگے کسی کھائی میں گر کر ختم ہوجائے۔ لیکن ایک عقل مند انسان ضرور رک جائے گا اور آگے بڑھنے سے پہلے ہزار بار سوچے گا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ خطرہ سے آگاہی حرف بحرف درست ہو۔

ڈیویڈ اے بروان

ہندو دھرم ۔۔۔ ایک مطالعہ

الف : ہندو ازم کیا ہے

۱۔ ایک بڑا مذہب

ہندو دھرم دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے ۔ کم و بیش ۵۵ کروڑ افراد اس دھرم کے پیرو ہیں ۔

ہندوستان کی ۸۰ فیصد سے زائد آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے ۔ علاوہ ازیں پاکستان ، بنگلہ دیش ، نیپال اور انڈونیشیا اور بالی میں بھی ہندو دھرم کے ماننے والے بسے ہوئے ہیں ۔ فجی ، ملیشیا ، سنگا پور ، سری لنکا ، ماریشس ، ویسٹ انڈیز اور چند افریقی ریاستوں میں تو ہندوؤں کی اچھی خاصی تعداد بستی ہے ۔ یہ لوگ ہندوستانی مہاجرین کی نسل ہیں ۔

عیسائیت ، بودھ دھرم اور اسلام کی طرح ہندو مذہب کبھی بھی مشنری مذہب نہیں رہا ۔ گو کہ حال ہی میں ہندو مشنریوں نے کئی مغربی شہروں میں اپنے روحانی مراکز کھول لئے ہیں ۔ مغرب میں بہت سے لوگ بالخصوص نوجوان ہندو طرز زندگی سے متاثر ہوئے ہیں ، لیکن یہ کہنا قدرے مشکل ہے کہ ان کی یہ دل چسپی کتنی گہری اور دیرپا ہے مغرب میں ہندو ازم کے اثرات کا اندازہ فی الوقت لگانا دشوار ہے ۔

اس کے برعکس ہندو ازم کے اثرات چند مشرقی ایشائی ممالک کے تمدن پر واضح

اورر نمایاں ہیں ۔ بودھ دھرم ہندو ازم کی ایک شاخ ہے اور بودھ طرز زندگی میں ہندو ارکان کی پیروی ہوتی ہے ۔ اس لئے بودھ دھرم کے فروغ کے معنی ہندو افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت ہے ۔

۲۔ دنیا کا سب سے قدیم روبہ عمل مذہب

ہندو ازم ، دنیا کا وہ قدیم ترین مذہب ہے ۔ جس کی پیروی آج بھی جاتی ہے لفظ انڈین (Indian) کی طرح " ہندو " بھی " انڈس " دریا کے نام سے مشتق ہے لیکن نام کے مقابلہ میں ہندو دھرم کہیں زیادہ قدیم ہے ۔ ہندو ازم کو آریہ دھرم یا آریہ طرز زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

دھرم ہندو ازم میں ایک اہم لفظ ہے جس کا مفہوم ، حق ، نیکی ، اخلاق ، قانون ، سچائی اور راست پرستی ہے ۔ دراصل دھرم وہ طرز زندگی ہے جو نجات اور " موکش " کی موجب ہوتی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یہی دھرم وسیع معنوں میں مذہب بن گیا ۔

تقریبا ۳۰۰۰ ق م ہندوستان ایک سرسبز تہذیب کا گہوارہ تھا لیکن آریوں کے قبل ان لوگوں کے مذہبی رجحانات سے ہم بہت کم واقف ہیں ۔ ہندوستان میں آریہ تقریبا ۲۰۰۰ ق م آئے لیکن اس وقت ان کی مذہبی خیالات کیا تھے اس کے بارے میں ہم بہت زیادہ نہیں جانتے عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ ہندو ازم میں آریائی اور ماقبل ئی افکار و نظریات کا امتزاج ہے ۔

۳۔ ایک نسلی مذہب

ہندو ازم ایک عوامی مذہب ہے ۔ ایک پوری قوم نے صدیوں اور قرنوں اسے اپنا کر قومی اور نسلی ساخت عطا کی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مذہب مختلف النوع افکار و اعمال کی آماج گاہ ہے ۔

ہندو ازم اور دوسرے بڑے مذاہب عالم میں تین اہم فرق ہیں ۔

۱۔ ہندو ازم کا کوئی موجد نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہندو ازم کیسے اور کب وجود میں آیا اس کی کوئی تاریخ پیدائش نہیں۔ ہزارہا سالوں میں اس نے بتدریج اپنے ارتقائی مراحل طے کئے۔

۲۔ ہندو ازم میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں جس کی پیروی سب پر لازم ہو۔ اس میں کوئی متفق علیہ اصول یا فلسفہ بھی نہیں ہے۔

۳۔ ہندو ازم ایک غیر اداراتی مذہب ہے۔ ہندو ادارے تو یقیناً ہیں لیکن خود ہندو ازم کوئی ادارہ نہیں ہے۔ اس میں اس کے معتقدین کی ایسی کوئی جماعت نہیں ہے جو کسی ایک خاص قسم کی عبادت کرے یا کسی عام ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گزارے۔

۴۔ مذاہب کا ایک خاندان

ہندو ازم میں اس قدر مختلف النوع رسوم و افکار ہیں کہ اکثر اسے مذاہب کا ایک خاندان بھی کہا جاتا ہے۔ ہندو کون ہے؟ یہ سوال در اصل بہت مشکل ہے۔ کوئی شخص قواعد و ضوابط کے پیچیدہ نظم پر عمل کرے یا بالکل بے لگام ہو، کوئی شخص تارک دنیا ہو یا پھر دنیا دار، کوئی شخص ایک خدا کی پرستش کرے یا پھر سیکڑوں خداوں کی، کوئی شخص کسی انسان کو خدا مان کر، جیسا کہ ہندوستان میں بہت سے لوگ کرتے ہیں، اس کی عبادت شروع کردے یا یکسر خدا کو ہی نہ مانے، ان میں سے ہر شخص ہندو ہے۔

ہندو ازم ایک لچک دار مذہب ہے۔ یہ دوسرے افکار و نظریات کو اپنے اندر سمولینے کی قوت رکھتا ہے اور جن میں وقت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے ہندو ازم کی تعریف اس طرح کی تھی۔

"بلحاظ عقیدہ ہندو ازم مبہم، غیر متشکل، پہل۔ دار اور ہرشے برائے ہر کس ہے۔ اس کی تعریف متعین کرنا سخت دشوار ہے بلکہ مروج معنوں میں اسے دیگر ادیان کی طرح مذہب کہنا بھی مشکوک ہے۔ اس نے ماضی میں بھی اور حال میں بھی۔ ارفع و ادنی اور کبھی کبھی تو متضاد رسوم و افکار کو گلے لگایا ہے۔ اس کی اصل روح "زندہ رہو اور رہنے دو" میں پوشیدہ ہے"۔

ب۔ ہندو ازم کی مقدس کتابیں

شروتی اور اسمرتی

ہندو مقدس کتابوں کی دو قسمیں ہیں۔

شروتی کے لغوی معنی "سنے ہوئے" ہیں، یہ وہ سچائیاں ہیں جو قدیم زمانوں کے رشیوں نے سنیں۔ چاروں وید جو قدیم صحیفے ہیں شروتی کہلاتے ہیں۔ یہ ہندو عقیدے کی اساسی کتابیں ہیں۔ یہ ہندو ازم کے بنیادی اور مستند سرچشمے ہیں۔

اسمرتی کے معنی "یاد کئے ہوئے" کے ہیں۔ یہ وہ سچائیاں ہیں جن کا اظہار رشیوں، منیوں اور عالموں نے کیا۔ اگر شروتی کو بائبل تسلیم کرلیا جائے تو اسمرتی بائبل سے مشتق تعلیمات اور روایات کہلائیں گی۔ ویدوں کے علاوہ تمام الہامی کتابوں کا شمار اسمرتی میں ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتابیں مسلکی نوعیت کی ہیں اور دوسرے درجہ کی اہمیت کی حامل ہیں۔ کہانیاں اور کتھائیں۔ فرود جماعت کے لئے ضابطہ اخلاق، عبادت کی رسمیں اور دینی مدارس اور فلسفیانہ اسکولوں کی روداد یں ان کتابوں کا موضوع ہیں لیکن ان میں سے چند، خاص کر دور زمنے یا پران ۔۔ رامائن اور مہابھارت ہندو ازم کی عام وراثت کے اٹوٹ انگ ہیں۔

وید اور اپنشد

وید چار ہیں، رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید ان چاروں ویدوں میں درج ذیل ۴ اہم حصے ہیں۔

(الف) منتر۔ یہ خدا کی تعریف و ثنا میں حمدیہ گیت ہیں۔

(ب) برہمنا۔ یہ منتروں کی تشریحات ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان میں رسم قربانی کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔

(ج) ارنیک (Arayakas) ان میں گیان دھیان کی تفصیلات ہیں۔

(د) اپنشد یا پوشیدہ تعلیمات۔ رسوم و شعائر سے الگ ہٹ کر ان میں کائنات اور اس سے انسان کے رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اپنشدوں کی تعلیمات کو ودیدانت بھی کہتے ہیں۔ انت بمعنی اختتام یعنی ویدوں کا اختتام یہ وید انت روحانی سچائیوں سے لبریز ہیں۔ صدیوں پر محیط ہندو ادب کا بیشتر حصہ انھیں اپنشدوں کے بلند خیالات کی تشریحات ہیں۔

رامائن اور مہابھارت

یہ ہندوستان کے قومیت رزمئے ہیں۔ یہ وہ عوامی کتابیں ہیں جن سے ہندو عوام اخلاقیت کے درس لیتے ہیں اپنا آئیڈیل تلاش کرتے ہیں۔

رامائن رام کی کہانی ہے جو راکششوں کے راجہ راون کو شکست دے کر دھرتی پر حق اور سچائی کی حکمرانی قائم کرتے ہیں۔ رام اور ان کی اہلیہ سیتا آئیڈیل مرد اور عورت تصور کئے جاتے ہیں۔ رام کو بھگوان کا اوتار مانا جاتا ہے اور ان کا نام جاپ ہندو ازم میں عام وظیفہ خیال کیا جاتا ہے۔ (اوتار کا مطلب کسی دیوتا کا انسان کا روپ اختیار کر لینا ہوتا ہے)

مہابھارت ایک عظیم جنگ کی کہانی ہے، بدی کی علم بردار ۱۰۰ کورو نیکی کے علم بردار پانچ پاونڈ کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں۔ بھگوان کے اوتار شری کرشن کی مدد سے نیکی بدی پر فتحیاب ہوتی ہے۔

یہ عظیم کتابیں محض قصہ کہانیاں ہی نہیں ہیں ان میں وہ کردار اور واقعات بھی ہیں جو انسان کے اعلیٰ کردار کے ترجمان ہیں۔ یہ شجاعت، وفاداری، جان نثاری، حق گوئی اور ثابت قدمی کا درس دیتی ہیں ان کتابوں نے نہ صرف کئی نسلوں کو متاثر کیا ہے بلکہ انھوں نے ہندوستانی آرٹ اور ادب پر بھی اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔

بھگود گیتا

یا بھگوان کے گیت ہندو الہامی کتابوں میں سب سے بہتر تصور کی جاتی ہے یہ مہابھارت کا ایک حصہ ہے جنگ کے موقع پر پانڈو بھائیوں میں سے ایک ارجن کے دل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں گو کہ میں حق پر ہوں پھر بھی اپنے ہی لوگوں کے خلاف جنگ کیوں لڑی جائے ؟ میدان جنگ میں بھگوان کرشن اسی شک کے ازالہ کی خاطر عمل انسانی کی اخلاقی اور فلسفیانہ پیچیدگیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کتاب کا پورا متن ایک طویل مکالماتی خطاب انسانوں کو تعلیم دیتی ہے کہ ہر شخص کو ہر حال میں انجام سے بے فکر ہو کر اپنے فرائض (دھرم) ادا کرنے چاہیں۔ گیتا کی بنیادی تعلیم بے لوث عمل پر مرکوز ہے جو خدا سے وابستگی کا ذریعہ بھی ہے۔

" وہ خدا واحد ہی ہے جو سب کا خالق ہے اور جو سب میں سرایت کر جانے والا ہے۔ انسان کا اپنے فرائض کو پورا کرنے ہی کا دوسرا نام خدا کی عبادت ہے جس سے وہ درجہ کمال کو پہونچتا ہے "

گیتا کی تعلیمات کا یہی خاصہ ہے۔ عملی طور پر یہ بہت آسان بھی ہے۔ یہ کہتی ہے اپنے فرائض پورے کیجئے۔ زندگی کے کسی بھی موقع پر، آپ کا جو بھی فرض ہے اس کو پورا کرنا ہی خدا کی اصل عبادت ہے "

گیتا کے بارے میں میں کہا جاتا ہے یہ ہندو فلسفہ کی روح ہے اسے عام انسانوں کا اپنشد بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ اپنشد کی مبہم اور مشکل تعلیمات کو عام فہم انداز میں پیش کرتی ہے۔

گیتا نے جدید ہندوستان میں ہندو ازم کے احیاء میں زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ گاندھی جنھیں جدید ہندوستان دوسرے تمام لوگوں پر فوقیت دیتا ہے، گیتا کو " اخلاق کی حتمی راہبر " قرار دیتے ہیں۔ اپنی خود نوشت سوانح حیات " دی اسٹوری آف مائی ایکسپیر یمنٹس ود ٹرتھ (The story of my experiment with truth) میں وہ گیتا کو ان لفظوں میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

۔ جس طرح انگریزی الفاظ کے معنی جاننے کے لئے مجھے انگریزی لغت کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے بالکل اسی طرح میں اپنی مشکلات کے فوری حل کے لئے اس کتاب اخلاق کی طرف رجوع کرتا ہوں"

لاکھوں ہندو روزانہ گیتا کا مطالعہ کرتے ہیں ۔ لاکھوں افراد درختوں کی چھاؤں میں یا شہر کے عظیم الشان ہالوں میں گیتا پر عالمانہ تقریریں سنتے ہیں ۔ ہندو کتابوں میں گیتا سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جاتی ہے ۔

ج ۔ ہندو ازم کی تاریخ

صدیوں تک ہندو ازم تاریخ اور وقت کے دھارے سے کٹا رہا جس کے سبب آج یہ بتانا انتہائی دشوار ہے کہ اس کی ابتداء کب ہوئی ۔ گیتا کب لکھی گئی ؟ کب اور کہاں ایک خاص واقع رونما ہوا یا کوئی تحریک چلی ؟ ہم نہیں جانتے ۔ ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے جس سے کسی اہم آدمی کی زندگی کے واقعات یا اہم واقعات کی تاریخ معلوم ہوسکے ۔

جدید دور کے آنے تک ہندو ازم کو ہندستانی تاریخ کے حولہ کے بغیر ہی سمجھنا ہوگا صدیوں اور قرنوں کے ارتقائی مراحل کے مشاہدے پر قناعت کرنا ہوگا ۔

۱ ۔ ویدوں کا دور ۶۰۰ ۔ ۲۰۰۰ ق ۔ م

یہ ہندو عقیدہ کی تشکیل کا دور تھا ۔ گویا کہ یہ دور ابہام تھا لیکن ہندو ازم کو ایک واضح سمت ملی ۔ ہمہ رنگی کے ساتھ ساتھ یک رنگی بھی جلوہ گر رہی ۔

(الف) ویدوں کے دیوتا اور رسوم

اس دور میں ادب وجود میں آیا ۔ سب سے پہلے رگ وید میں بہت ساری حمدیں ۔ آسمان ۔ سورج ۔ دھرتی ۔ طوفان اور آگ دیوتاؤں کی نزر کی گئی ہیں ۔ اس دور میں عام طور پر

قدرتی طاقتوں کی پرستش کی گئی ہے۔ ان میں سے طاقت کا دیوتا اندر اور راستی کا دیوتا ورون خاص ہیں۔ دیوتاؤں کو راضی اور خوش کرنے کے لئے رسومات کی ادائگی اور قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ کائنات کا نظم قربانیوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ایک متن کے مطابق خود کائنات دیوتاؤں کے ذریعہ دی گئی قربانی کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھی۔

لیکن ان چیزوں کا سمجھنا عامیوں کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ وہ قربانیوں کو محض رسم ہی سمجھتے رہے۔ ان کے لئے قربانی کی رسم ایک جادو تھی وقت کے گذرنے کے ساتھ قربانی محض ایک مذہبی رسم بن کر رہ گئی۔ قربانی دینے والے پجاریوں کو اہمیت اور طاقت حاصل ہوتی گئی۔ اب انہیں سبھوں پر فوقیت حاصل تھی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ انہیں پوشیدہ اسرار کا علم ہے اور ان کا وجود عوام کی بہتری کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

(ب) بلند ترین حقیقت کی تلاش

ویدک گیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کئی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے لیکن وہ اس بڑے خدا کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ جو ان دیوتاؤں کا بھی دیوتا تھا۔ وہ " توحید " کے بحرذخار کے غواص تھے۔ توحید جس کا مطلب ایک خدا کے وجود پر یقین کرنا ہے۔ اپنشدوں میں انتہائی حقیقت کی یہ تلاش اور بھی تیز ہوگئی ہے۔ اپنشدی تعلیمات میں خدا کو اکثر، " توہی ہے " سے مخاطب کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی سب سے عظیم روح یا وہ طاقت جو کائنات کا خالق اور پالن ہار ہے اور انسانی روح سے مماثل ہے۔ مزید برآں کائنات سے پرے خدائے واحد کے وجود کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنشد کا دعوی ہے کہ حقیقت ایک اور صرف ایک ہے برہمن کائنات کی عظیم ترین روح ہیں انسانی روح دو نہیں بلکہ ایک ہیں اور ایک جیسی ہیں۔ اس فلسفہ کو ادویت " کے نام سے جانتے ہیں۔ خدا کو جاننے اور اس میں ضم ہوجانے کی یہ کوشش محض چندافراد نے کی، عام لوگوں نے تو دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانیاں دینے کا

راستہ ہی اپنایا۔

(ج) ذاتوں کی تقسیم

ہر ملک میں لوگ دولت، پیشے اور خاندان کی بنیاد پر تقسیم ہوتے ہیں۔ ہندستان میں ذات کی بنیاد پر لوگوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ اس تقسیم نے ہر سماجی گروہ کی حیثیت سماج میں متعین کردی۔ اس نظام نے کسی ذات کا دوسری ذاتوں سے کسی طرح کا تعلق اور رویہ ہو، اور چھوٹی ذاتیں بڑی ذاتوں کو کسی طرح نذر گزاریں یا ان کی خدمت کس طرح کریں، تفصیلات بیان کیں۔ ذات پات کا نظام ویدک دور میں پھلا پھولا۔ رگ وید میں اس نظام کی بنیاد کی بابت ایک دیومالائی قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

"برہمن یا پجاری طبقہ" کائنات کے خالق برہما کے منہ سے پیدا ہوا۔ چھتری یا حکومت کرنے والا طبقہ برہما کے بازو سے پیدا ہوا، ویش یعنی تاجروں کے طبقہ نے برہما کی جانگھ سے جنم لیا اور شودر یعنی محنت کشوں نے برہما کے پیروں سے جنم لیا۔

ابتداء میں شاید کسی شخص کی ذات کا تعین اس کے پیشے کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ اسے یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ اپنا پیشہ تبدیل کرکے اپنی ذات تبدیل کرلے لیکن رفتہ رفتہ ذات ایک موروثی شے بن گئی اور کسی شخص کی ذات اور اس کا پیشہ، اس کے والدین کی ذات سے منسوب ہوگیا۔ اس فکر نے سماج کو ایک جامد نظام دیا بلکہ قوت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرکے عوام الناس کے استحصال کے دروازے کھول دیے۔ شروع میں ذات پات کے نظام نے سماج کے استقرار میں عملی رول ادا کیا لیکن اس کی خوبیوں کو اس کی برائیوں نے ڈھانپ لیا۔ اس نظام نے تمام سماجی تعلقات کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی اور فرد کی آزادی یکسر خواب و خیال ہو کر رہ گئی۔ ایک ذات سے پھر صدہا ذاتوں نے جنم لیا اور ہر ایک کے اپنے اپنے پیچیدہ قواعد و ضوابط بنے۔ ذات پات کے نظام میں "اچھوت" بھی تھے جن کا سایہ بھی ناپاک کردینے والا تصور کیا گیا۔

(د) عمل کا قانون (کرم)

قانون " عمل " ذات پات کے نظام سے متعلق ہے اور ہندو عقیدہ کا مرکزی خیال ہے ۔ عملی زندگی میں جو مقام ذات پات کے نظام کو حاصل ہے وہی مقام روحانی زندگی میں " عمل یا کرم کو حاصل ہے ۔

قدیم ہندو تعلیمات کے مطابق انسانی زندگی کا مقصد انتہائی اور ابدی حقیقت میں ضم ہوجانا ہے ۔ یہ مقصد ایک زندگی میں حاصل نہیں ہوسکتا اسی لیے ہر روح کو کئی زندگیا گزارنی پڑتی ہیں ۔ روح نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ اسے موت آسکتی ہے ۔ جس طرح زندگی کے بعد موت یقینی ہے اسی طرح موت کے بعد دوبارہ زندگی یقینی ہے ۔ یہ عمل جاری رہتا ہے تاوقتیکہ روح انتہائی پاک و صاف ہوکر کائنات کی روح میں ضم ہوجاتی ہے اور اپنے منتہائے مقصد کو حاصل کرلیتی ہے ۔ اس عمل کو " سمسرا " " بمعنی کسی شے سے گزرنا " کہتے ہیں ۔ پیدائش اور دوبارہ پیدائش کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ روح اس عمل سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہوجاتی ۔ یہ آزادی نجات یا موکش کہلاتی ہے ۔ یہ جہاں اسباب سے نجات ہے اور بار بار پیدائش سے موکش ہے ۔ اس نجات کا مطلب عظیم ترین خدا میں ضم ہوجانا ہے ۔ ہندو عقیدہ میں کسی روح کی یہ افضل ترین کامیابی ہے ۔ نجات خدا میں زندگی کا حصول ہے ۔

یہی وہ مقام ہے جہاں قانون " عمل " سامنے آتا ہے اس قانون کے مطابق آج جو آدمی ہے وہ کل کیا تھا کا نتیجہ ہے ۔ اور وہ آنے والے کل کو کیا ہوگا اس کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ آج کس طرح زندگی گزار رہا ہے ۔ ہر عمل یا واقعہ دوسرے عمل یا واقعہ کو جنم دیتا ہے ۔ یہی " قانون " عمل " ہے یہ ایک بے لاگ قانون ہے اور کسی فیصلہ کا محتاج نہیں ہے ۔ اس میں نہ ہی جزا ہے اور نہ ہی سزا ۔ قانون " عمل " موجودہ زندگی اور سابقہ زندگی اور آنے والی زندگی کے درمیان ایک کڑی ہے ۔

۔ رد عمل کا دور ۲۰۰۔ ۶۰۰ ق ۔ م

۶۰۰ ق ۔ م میں ہندو ازم کے رد عمل میں دو تحریکیں جین مت اور بدھ مت نمودار ہوئیں ۔ ان کے بانیوں کا مقصد یہ تھا برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری ختم کر کے عوام کو مذہبی رسوم اور قربانیوں سے نجات دلائی جا سکے ۔ انہوں نے تعلیم دی کہ انسان کا منتہائے مقصود خدا میں ضم ہونا نہیں بلکہ خود کو جاننا ، پہچاننا ، اور پانا ہے انہوں نے کہا انسان اپنے اس مقصد کو خود پر قابو پا کر حاصل کر سکتا ہے ۔

یہ بات قابل غور ہے کہ دونوں متوں کے بانی بدھ اور مہاویر بنیادی طور پر ہندو تھے بدھ کی تعلیمات میں کہیں کہیں اپنشدوں کی تعلیمات دکھائی پڑتی ہے ۔

اس زمانے میں ویدک دقیانوسیت کے خلاف بدھ مت اور جین مت کے علاوہ متعدد تحریکیں ابھریں لیکن جلد ہی ختم ہو گئیں ۔ بدھ مت کو ایک مختصر سی مدت کے لئے عروج حاصل ہوا لیکن ہندوستان میں اس کی مقبولیت گھٹتی گئی ۔ شہنشاہ اشوک کے دور میں اسے کمال کا عروج حاصل ہوا لیکن اس دور میں بھی یہ ہندو عقیدہ کو پامال نہ کر سکا ، ہندو ازم کے چند بنیادی افکار و نظریات کو چیلنج کیا گیا اور بعض مذہبی شعائر کو ہدف ملامت بھی بنایا گیا لیکن ہندو ازم کی اساس متزلزل نہ ہوئی ۔ یہاں تک کہ ہندوؤں نے بدھ کو بھی اپنا ایک دیوتا تسلیم کر کے اس کی پرستش شروع کر دی ۔

نئی تحریکوں نے ہندو ازم پر بہر حال اپنی چھاپ ڈالی ۔ اب اخلاقیات اور صالح اعمال پر زور دیا جانے لگا ۔ قربانیوں کے خلاف رد عمل سے جانوروں کی زندگی کا احترام اجاگر ہونے لگا ۔ بودھ رہبانیت مقبول ہونے لگی ۔

مورتی پوجا اسی دور کی پیداوار ہے ۔ اپنے اپنے نجی دیوتاؤں کا تصور عام ہوا ۔ پرانی روایتیں قائم رہیں ۔ لیکن نئے عناصر بھی در آئے ۔

۳۔ رزمئیوں اور پرانوں کا دور ۲۰۰ ق۔م سے ۱۰۰۰م

ا۔ عظیم رزمیئے

احتجاج اور رد عمل کے دور کے بعد احیاء کا دور آیا رامائن اور مہابھارت جنہوں نے ہندو ازم کی ترویج میں اہم رول ادا کیا۔ اسی دور کے ابتدائی حصہ سے منسوب ہیں۔
یہ تحریریں جب عوام تک پہنچیں تو انہوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا۔ اپنشدوں میں خدا کا تصور کسی بھی صفت سے پاک تھا۔ وہ سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اسے صرف یہ کہہ کر بیان کیا جاسکتا تھا کہ وہ یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے۔ رام اور کرشنا کی صورتوں میں وہی خدا جو غیر مرئی تھا جان دار ہوجاتا ہے۔

ب۔ اوتار کا فلسفہ

بھگود گیتا میں کرشن اپنے کو قادر کل کہتا ہے وہ سورج کی روشنی میں، آگ کی چمک تمام چیزوں میں زندگی کی رمق اور تارکین دنیا کا کفارہ ہے۔ قربانی میں وہ خود ہی نذر، خود ہی آگ اور خود ہی قربانی گذار نے والا ہے۔ میدان کارزار میں کرشن ارجن سے کہتا ہے۔

"میں خالق کل ہوں اور پیدا نہیں ہوا ہوں۔ اس کے باوجود میں اپنی پراسرار قوت کے ذریعہ قدرت میں ہویدا ہوں ...۔ میں ہر زمانے میں اوتار کی صورت جنم لیتا ہوں تاکہ نیکو کاروں کی حفاظت کروں بدکاروں کو برباد کروں اور دھرم کی حکومت کا از سر نو قیام کرسکوں۔"

یہی اوتار کا فلسفہ ہے۔ اوتار کے معنی اترنے کے ہیں خاص طور پر خدا کا آسمانوں سے اترنا، خدا کی تجسیم کو اوتار کہتے ہیں لیکن یہاں اوتار حضرت یسوع مسیح کی تجسیم سے قدرے مختلف ہے۔ ہندو ازم میں ۹ اوتار جنم لے چکے ہیں اور دسویں اوتار کو ہنوز جنم لینا ہے۔

ج۔ بھکتی مسلک

اوتار کے فلسفہ کی مقبولیت نے ایک نیا باب روشن کیا لوگوں نے خدا کو مجسم دیکھنا شروع کردیا اور انہوں نے خدا کے تین کاموں کے لئے الگ الگ اوتار بنالئے۔ برہما خالق تھا تو وشنو حفاظت کرنے والا اور شیو ہلاک کردینے والا تھا۔ تینوں مل کر تری مورتی کہلائے ان اوتاروں نے لوگوں کے قلب و ذہن کو مسخر کرلیا اور عوام کے گھر گھر میں انہوں نے جگہ پالی۔ لوگوں نے ان سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا جسنے بعد میں بھکتی کا روپ لے لیا۔ بھکتی ایک خوب صورت لفظ ہے۔ جس کے معنی صرف عقیدت ہی نہیں۔ یہ والہانہ عقیدت ہے۔ خدا کی یاد میں محو رہنا اور اسے پالینے کی چاہت کو بھکتی کا نام دیا گیا۔ ہندو ازم میں بھکتی کی روایت بہت مالا مال ہے۔ شنکرا جیسے فلسفیوں نے اسے حقارت سے دیکھا لیکن بھکتی کی جیوتی صدیوں تک عوام کے لئے مشعلِ راہ بنی رہی۔

د۔ پران

مذہبی نظموں نے جو پران کے نام سے جانی جاتی ہیں بھکتی تحریک کو مہمیز کیا ان نظموں میں دیوتاؤں کے اعمال عظیم شخصیتوں کے کارنامے اور رشیوں منیوں کے کمالات بیان کئے گئے ہیں۔ اہم پرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے لیکن چند غیر اہم پران بھی ملتے ہیں کچھ پرنوں میں وشنو کا کچھ میں برہما کا اور باقی میں شیو کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دیوتا کے الگ الگ معتقدین بھی رہے ہیں۔ مثال کے طور پر وشنو کے پجاریوں کو ویشنو اور شیو کے پجاریوں کو شیو بھگت کہتے ہیں۔

اس دور کے اختتام پر بھگوت پران لکھی گئی۔ بھکتی ادب میں اس کا منفرد مقام ہے۔ یہ وشنو کے تمام اوتاروں سے متعلق کہانیوں اور کتھاوں کا مجموعہ ہے۔ عام ہندوؤں

کے بیشتر مذہبی عقائد اسی پران سے لئے گئے ہیں۔ یہ نجات کے لئے بھکتی طریق زندگی پر زور دیتی ہے۔ اس پران سے لاتعداد نظموں، کتھاؤں اور تصویروں کو جنم دیا۔ متذکرہ بالا تین اہم دیوتاؤں کے علاوہ شکتی (قوت) کو بھی دیوی کی طرح پوجا گیا۔ شکتی دیوی کی پرستش کو بڑھاوا دینے میں تانترک ادب نے بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔

۵۔ فلسفہ

ہندو فلسفہ کے نو اسکولوں کی تشکیل اسی دور میں ہوئی ان کو درشن اس لئے کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ دنیا کو دیکھا جاسکتا ہے۔ چھ دقیانوسی نظام ہیں اور باقی کے تین میں جین مت اور بدھ مت بھی شامل ہیں۔ ان میں چند کی اساس ویدوں کی تحریریں ہیں لیکن درشن کے دوسرے اسکول آزاد فکر بھی رکھتے ہیں اور علم کے متعدد میدانوں کے شہ سوار ہیں۔

۴۔ بھکتی کا دور ۱۰۰۰ سے ۱۷۵۰ م

یہ موضوع مبہم ہے۔ طویل دور بھکتی دور اس لئے کہلاتا ہے کہ اس میں عام لوگوں نے نجات کے لئے والہانہ بھکتی کا راستہ اختیار کیا۔

(ا) عام ہندو دھرم

عام ہندو کسی نہ کسی مسلک سے منسلک تھے۔ وہ اپنے پسندیدہ دیوتاؤں کی پرستش ملک کے طول و عرض میں پھیلے متعدد مندروں میں کرتے تھے۔ وہ تیرتھ یاتروں کے لئے بھی نکلا کرتے تھے۔ وہ ذات پات کے نظام کو مانتے تھے جو اب مزید پیچیدہ اور ناگزیر ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے پسندیدہ دیوتا کی مورتی اپنے گھروں میں بھی رکھتے تھے وہ

جانوروں کا احترام کرتے اور گائے کو مقدس مانتے تھے اس دور میں لاتعداد دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی لیکن وشنو شیو اور شکتی کو اب بھی اہم دیوتاؤں کی حیثیت حاصل تھی عام لوگوں کا مذہب گھریلو تھا اور مذہب نے ان کی زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرلیا تھا۔

(ب) بھکتی کا فروغ

ملک کے شمال حصہ میں بھکتی تحریک کو عروج حاصل تھا۔ شاعروں اور گویوں کے گروہ بھگوان کے والہانہ گیت گاتے رہتے تھے۔ اب بھکتی تحریک کو فلسفیوں کا تعاون بھی ملنے لگا تھا۔ وشنو اوتار رام اور کرشن اور شیو اور شکتی کی بھکتی کی جانے لگی بعد میں کبیر، تلسی داس اور تکارام جیسے صوفی سنتوں نے بھکتی تحریک کو چار چاند لگادئے ان سبھوں میں ذاتی نوعیت کی بھکتی جھلکتی ہے اور بھکتی کو ہی راستہ تسلیم کیا ہے۔

(ج) رامانج

رامانج کا زمانہ بارہویں صدی کے اوائل کا ہے انہوں نے بھکتی تحریک کو فلسفیانہ اساس فراہم کی انہوں نے سادہ عقیدہ اور مکمل عبودیت پر زور دیا ان کے بقول، بھگوان دنیا اور ذی روح سب حقیقتیں ہیں۔ دنیا اور روح بشر کا انحصار بھگوان پر ہے۔ خدا کے وجود سے پرے ان کا کوئی وجود نہیں۔ در حقیقت یہ خدا کا جسم ہیں۔ انسان کا خدا پر مکمل اعتماد ہی نجات کا ضامن ہے۔

(د) اسلام کے اثرات

اس دور میں گو کہ ہندوستان پر مسلمان حکمرانی کررہے تھے لیکن ہندو عقیدہ پر اسلام کے بہت گہرے اثرات نہ تھے اسلام نہ تو ذات پات کے نظام کو کمزور کرپایا اور نہ ہی مورتی پوجا ہی ختم ہو سکی۔ مسلم شہنشاہ اکبر نے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی جس

میں ہندو عقیدہ کی بھی جھلک تھی لیکن یہ تجربہ کامیاب نہ ہوسکا۔ بنکر کوی کبیر نے اپنے ذاتی تجربہ کہ خدا انسانوں کے دلوں میں رہتا ہے کی بنیاد پر ایک آفاقی مذہب کی تبلیغ کی۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے ہی ان کی لاش پر اپنا دعوی کیا کیوں کہ ہندو انہیں اپنے رواج کے مطابق جلانا چاہتے تھے جب کہ مسلمان انہیں دفنانا چاہتے تھے۔

جب ہندوؤں نے اپنے درمیان ایک بالکل مختلف مذہب دیکھا تو وہ اپنے مذہب کے تئیں کچھ زیادہ حساس ہونے لگے۔ اب وہ اپنے صدیوں پرانے مذہب اور کلچر پر فخر کرنے لگے اپنی پوری تاریخ میں انھوں نے اپنے عقیدہ کی خاطر پہلی بار لڑنا سیکھا ہندو ازم کبھی بھی دوسروں کو ان کے عقیدہ سے پھیرنے والا مذہب نہیں رہا ہے لیکن اب ہندوؤں نے مشنریوں کا مقابلہ کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ مسلم دور حکومت کے خاتمہ پر ہندو اپنے مذہب کے تئیں اس دور سے کہیں زیادہ حساس تھا جب ہندو ازم نے آنکھیں کھولیں۔

(س) سکھ مت

اس دور میں سکھ مت ایک نئے مذہب کی صورت میں ابھرا اس کے بانی نانک ایک سیدھے اور نیک آدمی تھے وہ لوگوں سے اتھاہ محبت کرتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلم اتحاد پیدا ہو ایک ایسا طریق زندگی اور ایسا عقیدہ ابھر کر آئے جس سے محبت کو فروغ حاصل ہو۔ لیکن اصلاح کی یہ تحریک رفتہ رفتہ ایک نئے مذہب میں ڈھل گئی۔

۵۔ دور جدید ۱۷۵۰ء کے بعد

دور جدید مغرب اور عیسائیت کے اثرات اور اصلاحی تحریکوں کے عروج کا دور ہے۔ ایسی تحریکیں بڑی حد تک مغربی تعلیم کا نتیجہ ہیں اس دور میں ہندوستانی قوم پرستی نے سر ابھارا اور اسی کے ساتھ ساتھ ہندو طرز زندگی کو جلا ملی۔ جدید دور صرف اصلاح کا

ہی نہیں نشاۃ ثانیہ کا دور بھی ہے۔

(ا) اصلاحی تحریکیں

تین بڑی اصلاحی تحریکیں ابھریں ایسی پہلی تحریک برہمو سماج تھی جس کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے۔ سماج نے سماجی اور مذہبی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ یہ تحریک ہندو ازم کو منزہ کرنے کی تحریک تھی اس نے سماجی برائیوں مثلاً کمسنوں کی شادی اور مذہبی شعار مثلاً مورتی پوجا کی مخالفت کی۔ اس تحریک نے عورتوں کی تعلیم اور بیواؤں کی دوبارہ شادی پر زور دیا۔ یہ خالص توحید پرست تحریک تھی جس نے اوتار کی عقیدہ کی تعلیم نہیں دی اس نے ذات پات کے نظام کو ہدف ملامت بنایا۔ سماج پر عیسائی تعلیمات کی گہری چھاپ دکھائی پڑتی ہے اس کے بعد کے لیڈروں میں سے ایک کیشب چندر سین حضرت یسوع مسیح سے بے حد متاثر تھے، وہ چاہتے تھے۔ کہ عیسائیت اور ہندو ازم کے درمیان دوری ختم ہو۔

دوسری تحریک آریہ سماج اصلاحی تحریک سے کہیں زیادہ تحریک احیاء تھی اس کے سب سے بڑے رہنما سوامی دیانند سرسوتی ایک متشدد ہندو تھے اس تحریک نے ہندو ازم کو چیلنج کیا تاکہ اپنے مالا مال گم گشتہ ورثہ کو تلاش کیا جاسکے یہ تحریک اسلام اور عیسائیت کی مخالف تھی۔ اس نے مذہبی قوم پرستی کو بڑھاوا دیا اور ہندوؤں کو تعلیم دی کہ وہ اپنے عقیدہ پر سختی سے کاربند ہوں۔

تیسری تحریک رام کرشنا مشن ہے جو شری رام کرشن پرم ہنس کی تعلیمات پر بنی ہے۔

رام کرشن ایک سیدھے سادے غیر تعلیم یافتہ برہمن تھے جن میں خدا کو پانے کی تڑپ تھی۔ وہ ایک مندر کے پجاری تھے۔ وہ خود پر مکمل کنٹرول کر کے خدا کی زبردست تلاش میں سرگرداں ہوگئے، انہوں نے دیوی ماتا کا دھیان کیا یہاں تک کہ ایک دن ان کے سامنے وہ سراپا ظاہر ہوئیں بعد میں انہوں نے اور دیوتاؤں کا جلوہ بھی دیکھا۔ انہوں

نے حضرت مسیح کو بھی دیکھا تمام مذاہب کا اتحاد رام کرشن کے لئے ایک ذاتی تجربہ بن گیا انہوں نے کہا

"میں نے تمام مذاہب ہندوازم اسلام اور عیسائیت کی پیروی کی میں نے مختلف مسلکوں کی بھی پیروی کی میں نے پایا کہ تمام لوگ ایک ہی خدا کی جانب بڑھ رہے ہیں گوکہ راستے الگ الگ ہیں۔ جہاں بھی دیکھتا ہوں لوگوں کو مذہب کے نام پر جھگڑتے دیکھتا ہوں ۔۔۔۔ لیکن وہ اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ جو کرشن ہے وہی شیو ہے اور وہی قدیمی توانائی عیسی اور اللہ ہے ۔۔۔ وہی رام ہزاروں ناموں کے ساتھ"

(ٹی۔ ایم۔ پی۔ مہادیون۔ آوٹ لائنز آف ہندو ازم صفحہ ۲۲۱)

رام کرشن کے گرد بہت سے نوجوان معتقد جمع ہوگئے جنہوں نے انہیں گرو تسلیم کیا رام کشن نے خود سے کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ ہی کوئی رسمی بیان دیا۔ ان کی تعلیمات کو ان کے مریدوں نے سپرد قلم کیا۔ انہوں نے کہا کہ زندگی کا اولین مقصد خدا کو پانا ہے۔ یہ مقصد تمام مذاہب میں مشترک ہے جس کا حصول بھکتی کے ذریعہ ممکن ہے ہم کو اس خدا سے محبت کرنا چاہیے جس کے ہم متلاشی ہیں۔

رام کرشن ایک بزرگ آدمی تھے وہ دنیا کی اہم باطنی اور تصوف کی تحریکوں سے متاثر تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ جس مسلک کے پیرو تھے وہ ایک عملی مسلک تھا۔ ایسا مسلک جو نہ صرف رسوم کی قید سے آزاد تھا بلکہ جس نے روایتی تعلیم پر بھی زور دینا مناسب سمجھا۔

رام کرشن کی تعلیمات کو عام کرنے میں ان کے ایک مرید ویکانند کا بہت بڑا ہاتھ ہے وویکانند ابھی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہی تھے کہ ان کی ملاقات رام کرشن سے ہوئی اس ملاقات نے ان کی زندگی کا دھارا ہی بدل دیا۔ انہوں نے اپنے گرو کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے رام کرشن مشن کی بنیاد ڈالی جسے آج ہندو مذہب کے مشنری بازو کی حیثیت حاصل ہے یہ مشن رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتا ہے۔ ہندوستان میں یہ ایک بڑی تعداد میں تعلیمی، طبی اور رفاہی ادارے چلاتا ہے بہت سے مغربی شہروں میں بھی

اس کے مراکز ہیں۔ دروں و بیرو ملک اس نے ہندو ازم کی تبلیغ و اشاعت میں زبردست رول ادا کیا۔

(ب) ٹیگور

ہندو عقیدہ کے احیاء میں شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے بھی ایک فیصلہ کن رول ادا کیا ہے ان کی نظموں اور گیتوں کا محور خدا اور انسان ہوتا ہے ان کی شاعری میں ہندوستانی عوام کی بلند حوصلگی جھلکتی ہے۔ وہ ہندوستانی قوم پرستی اور ہندو احیاء پرستی دونوں کے ہی ترجمان ہیں ان کی نظموں میں بھکتی گہرائی و گیرائی کروٹیں لیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"گردش شب و روز جاری ہے لیکن جو میرے دل کی دھڑکن ہے جو مختلف ناموں اور روپوں میں جلوہ گر ہوتا ہے جو میرے لئے خوشی اور رنج کے لمحات لاتا ہے۔ اس کی ایک جھلک کو مدتوں ترستا ہوں۔" (ٹیگور گیتا نجلی ص ۲۷)

"وہ کہتے ہیں کہ مندروں اور مقدس مقامات پر خدا انہیں ملتا۔

"وہ وہاں ہے جہاں کسان سخت زمین پر ہل چلا رہا ہے وہ وہاں ہے جہاں سڑک بنانے کے لئے کوئی محنت کش پتھر توڑ رہا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہر وقت موجود ہے۔ دھوپ میں بھی اور بارش میں بھی اور اس کے کپڑے گرد آلود ہیں۔

خدا کو ترک دنیا کر کے نہیں بلکہ اس کو قبول کر کے پایا جاسکتا ہے کیوں کہ خدا نے تخلیق کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے اسی لئے وہ ہمیشہ اپنی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔"

ایک ہندو عقیدہ یہ بھی ہے کہ انسان ہی خدا ہے ٹیگور اسی خدا کی بندگی کرتے ہیں جو انسان ہے اور جس کا مذہب انسانوں کا مذہب ہے۔ ان نظریہ نے کہ انسان ہی دھرتی کی تقدیر ہے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں میں ایک مثبت رول ادا کیا۔

(ج) گاندھی

آج کے دور میں مہاتما گاندھی کی حیات اور کارنامے ہندو ازم کی سب سے اچھی مثالیں ہیں۔ گاندھی کو لوگ عموماً اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ انہوں نے اہنسا اور عدم تشدد کے بل پر ہندوستان کی کامیاب جنگ آزادی لڑی وہ ایک عملی آدمی تھے لیکن ان کا عمل ان کے عقیدہ کی دین تھا۔ گاندھی فطری طور پر ایک مذہبی آدمی تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مذہب پر یقین کامل ہی کے سبب انہوں نے سیاست میں حصہ لیا اور ان کا مذہب ہندو ازم تھا۔ گاندھی جی حضرت مسیح کی تعلیمات بالخصوص پہاڑی کے وعظ سے بھی بہت متاثر تھے۔ تصلیب کے واقعہ نے انہیں ہمیشہ بیدار رکھا اس سب کے باوجود وہ ایک راسخ العقیدہ ہندو تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"میرا مذہب ہندوازم ہے جو میرے نزدیک انسانیت کا مذہب ہے اور جس میں جملہ مذاہب عالم کی بہترین چیزیں یکجا ہیں۔"

" سچائی میرا بھگوان ہے اور عدم تشدد اس کو پانے کا راستہ۔" گاندھی جی اکثر کہا کرتے تھے۔ گاندھی کا بھگوان کوئی مرئی شے نہ تھا بلکہ ایک اصول تھا اس کے باوجود گاندھی مورتی پوجا کرنے والوں سے کبھی نہیں جھگڑے۔ وہ لکھتے ہیں۔

بھگوان وہ ہے جسے ہم محسوس تو کرتے ہیں لیکن جانتے نہیں۔ میرے نزدیک بھگوان اور پیار ہے، بھگوان اخلاق اور انسانیت ہے بھگوان بے خوفی ہے وہ تمام زندگی اور روشنی کا منبع ہے اور بایں ہمہ اوہ ان سب پر فائق ہے بھگوان ضمیر ہے۔ یہاں تک کہ وہ دہریے کی خدا ناشناسی ہے وہ کلام اور اسباب میں موجود ہے جو لوگ اس کے طبیعاتی وجود کے قائل ہیں ان کے لیے وہ ذاتی بھگوان ہے جو لوگ اسے چھونا چاہتے ہیں ان کے لیے وہ مرئی ہے۔ وہ اصل جوہر ہے وہ ان کا ہے جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ ہر شخص کے لیے ہر شے ہے

یہ ایک عجیب و غریب ہندو نظریہ ہے۔ ہندوازم بے سر و پا مذہب کبھی نہیں رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو ازم وحدت ادیان کا قائل ہے دوسرے ہندؤں کی طرح گاندھی

بھی ہر دین راست رو ہے پر یقین رکھتے تھے وہ سمجھتے تھے ۔ انھوں نے مذاہب کے درمیان کبھی بھی مسابقہ نہیں چاہا اور نہ ہی انھیں تبدیلی مذہب پر یقین تھا ۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اپنا نا دانش مندی نہیں ہے اور یہ فعل سماجی زندگی کے امن کو نقصان پہنچاتا ہے ۔ گاندھی کے بہت سے عیسائی دوست تھے لیکن انھوں نے تبلیغ مذہب اور تبدیلی مذہب کو کبھی نہیں سراہا گاندھی اپنے دور میں بجا طور پر ہندو ازم کی تمثیل کہے جانے کے لائق ہیں ۔ وہ ہندو احیاء پرستی اور اس کے فیضان دونوں کے ہی جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

(د) رادھا کرشنن اور اوروبندو

ڈاکٹر رادھا کرشنن اور شری اوروبندو دور حاضر کے دو اہم ہندو شارح اور مبلغ ہیں ۔ رادھا کرشنن کا جو ہندوستان کے صدر جمہوریہ بھی رہ چکے ہیں خیال تھا کہ مذاہب کے آپسی تصادم کا حل ہندو ازم کے پاس ہے وہ نہ صرف ایک عقیدہ کے لئے بلکہ خدا کے عالم گیر عرفان کے لئے بھی حل فراہم کرتا ہے شری اوروبندو تحریر فرماتے ہیں ۔

" ہندو مذہب وہ عالمی مذہب ہے جو مادیت پر سائنسی مشاہدات اور تجربات اور فلسفیانہ قیاس کے ذریعہ فتح یاب ہوسکتا ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ جو ان تمام ممکنہ ذریعوں کو بروئے کار لاتا ہے جن سے خدا تک پہنچنا ممکن ہوسکے ۔۔ ۔۔ ۔۔ وہ جو ہم کو موت کی حقیقت سے یکسر دور کر کے لافانی بناتا ہے "

(د) ہندو عقائد

ہندوازم کے ارتقاء کے بیان میں ہم چند اہم تعلیمات پر روشنی ڈال چکے ہیں ۔ اب ہم اس کے چند غیر معمولی نظریات کی تفصیل بیان کریں گے ۔

۱۔ زندگی کے چار ہدف

ہندو ازم کے مطابق زندگی بکے چار ہدف ہیں ۔ دھرم ، ارتھ کام اور موکش ۔ موخرالذکر کا مطلب گوشت پوست کے جسم اور فانی زندگی سے نجات ہے ۔ نجات کے متلاشی کو موجودہ زندگی میں سماج اور خاندان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہوتا ہے اور یہی ارتھ کا مقصد ہے ۔ اپنی ذمہ داریوں سے عہد برآہونے کے دوران اسے نفسانی خواہشات کی تکمیل بھی کرنی ہے اور یہی کام کا منشا ہے ۔ ذمہ داریاں کیسی بھی ہوں طالب نجات کے لئے ہر حال میں دھرم (راستی) کا پالن ضروری ہے ۔

۲۔ زندگی کے چار دور

روایتی ہندو ازم زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کرتی ہے پہلا دور طالب علمی کا ہے ۔ طالب علم مجرد ہوتا ہے اور گرو آشرم میں اپنے گرو کے زیر نگرانی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے یہ ایک اہم دور ہوتا ہے حصول علم سے فراغت کے بعد وہ خانگی اور معاشرتی زندگی میں داخل ہوتا ہے ۔ وہ اولادیں پیدا کرکے اپنے اسلاف کا قرض اتار تا ہے وہ جفاکشی اور مروت کے جوہر کو پروان چڑھاتا ہے اور پورے سماج کی فلاح کے لئے اپنے کو وقف کرتا ہے تیسرے دور میں وہ زندگی سے کنارہ کش ہوکر اپنی اہلیہ کے ساتھ جنگل میں زندگی گزارتا ہے ان مرحلوں سے گزر کر آخری دور میں اسے ایک نیکوکار کی حیثیت سے موکش مل جاتا ہے اس دور میں وہ دنیا اور اس کی لذتوں سے اپنا ناطہ پوری طرح توڑلیتا ہے

دل چسپ بات یہ ہے کہ جہاں ہر شخص پر پہلے تین دور واجب ہیں وہیں چوتھے دور کا انحصار منشاء پر ہے ۔ جو چاہے تارک دنیا ہو اور جو نہ چاہے سو نہ ہو ۔

۳۔ تین راستے

ہندو ازم کی تاریخ، انسان کی تلاش حق کی تاریخ ہے ۔ یہ حق و معرفت حصول کی چاہت کی داستان ہے ۔ ایک ہندو کے نزدیک خدا اصل حقیقت اور سچائی ہے ۔ اپنشدوں میں ایک دعا مذکور ہے ۔

مجاز سے حقیقت کی جانب میری رہ نمائی کر
تاریکی سے نور کی جانب میری رہ نمائی کر
فنا سے بقا کی جانب میری رہ نمائی کر

ہندو ازم کا خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کی تلاش حق تلاش روشنی اور تلاش بقا کا مدعی ہے اس مقصد تکمیل کے لئے ہندو ازم تین راستوں کو تسلیم کرتا ہے ۔ یہ تین راستے یوگا بھی کہلاتے ہیں ۔ یوگا کے معنی طوق کے ہوتے ہیں یوگا سے مراد خدا کے حضور اپنی گردن میں غلامی ڈالنا ہے اس کا مطلب مکمل ذہنی فکری اور بدنی تربیت ہے ۔

۱۔ پہلا راستہ عمل صالح ہے، خدا کے عرفان کے لئے بے لوث خدمت ضروری ہے ۔ ہر شخص کے ذمہ چند فرائض (دھرم) ہیں ۔ اپنے فرائض کو پورا کرنا ہی عمل صالح ہے ۔ بھگود گیتا میں کرشن ارجن سے کہتے ہیں ۔

" تمہارا کام عمل کرنا ہے ۔ تمہیں ثمر کی فکر نہیں کرنی چاہیے ۔ پس کبھی بھی پھل کی خاطر کام نہ کرو اور نہ کام چھوڑو ۔ "

احیاء شدہ ہندو ازم بجا طور پر ایسے ہی عمل پر زور دیتا ہے ایک زمانے تک ہندو ازم کو جہاں دیگر مذہب تسلیم کیا جاتا تھا ۔ تارک دنیا سادھو کو ہی آئیڈیل سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن آج عمل پر زور ہے نہ کہ ترک عمل پر زندگی میں عمل صالح کے لئے آج گاندھی جی کی شخصیت اور رام کرشن مشن جیسے اداروں کی مثال پیش کی جاتی ہے ۔

۲۔ دوسرا راستہ بھکتی کا راستہ ہے ۔

۳۔ تیسرا راستہ علم کا راستہ ہے صرف ذہنی علم نہیں بلکہ روحانی روشنی بھی ۔ یہ علم ویدوں اور دوسری الہامی کتابوں کے مطالعہ سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد

ایک طویل عرصہ دھیان اور ریاضت کا آتا ہے۔ علم کی آخری منزل خود آگاہی ہے یہی وہ منزل ہے جب وہ اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی ذات کا حصہ ہے اس منزل میں عارف کی روح کو نجات یا موکش حاصل ہو جاتی ہے۔

۴۔ خدا اور آدمی

ہندو ازم ایک طرف تو یہ بتاتی ہے کہ (الف) خدا غیر مرئی اور قادر کل ہے تو دوسری طرف یہ بتاتی ہے کہ (ب) وہ لباس بشری میں ہوتا ہے۔ پس (الف) وہ بصیرت اور بصارت سے پرے ہے اور اس میں تغیر و تبدیلی ناممکن ہے لیکن (ب) وہ انسانی حالات پر گہری نگاہ رکھتا ہے اور اس دنیا میں نیکی (دھرم) کے قیام اور بدی کی بیخ کنی کے لئے اکثر آتا رہتا ہے۔

آدمی کا مقصد خدا کا حصول ہے اس کا منتہائے مقصد ہی یہی ہے کہ وہ خدا کی ذات میں ضم ہو کر موکش حاصل کرے۔ ایسا تب ہی ممکن ہے جب وہ متذکرہ بالا ایک یا ایک سے زیادہ راستوں کو اپنائے زندگی کے چاروں ادوار کی تکمیل کرے اور اپنی زندگی میں متذکرہ بالا چاروں ہدف کے حصول کی کوشش کرے۔ یہ مقصد یکے بعد دیگرے کئی زندگیوں میں اسی طرح حاصل ہوتا ہے جس طرف ایک طالب علم یکے بعد دیگرے کئی سال تک محنت کر کے اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔

(۵) مروج ہندو ازم

ابھی تک ہم خالص ہندو ازم کے افکار و نظریات سے بحث کر رہے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ لاکھوں ہندوؤں کے مذہب سے مروجہ ہندوازم میں بھکتی اور عبادت کا کوئی مشترک طریقہ نہیں ہے۔ الگ الگ خطوں کے الگ الگ مذہبی رسوم و شعائر ہیں بلکہ یہ کہنا کہیں زیادہ صحیح ہوگا کہ گاؤں گاؤں میں یہ جدا جدا ہیں۔ لاتعداد ہندو دیوی دیوتاؤں میں سے کوئی ہندو کسی کو بھی اپنا خاص دیوتا چن سکتا ہے ہر خاندان کا ایک مخصوص دیوتا ہوتا

ہے ۔ کبھی کبھی کسی گاؤں کا ایک مخصوص دیوتا ہوتا ہے ۔

مقامی طور پر ہندو ازم میں متعدد مسلکی گروہ ہوتے ہیں بڑے گروہ شیو برہما ، وشنو یا شکتی کی پوجا کرتے ہیں لیکن چھوٹے موٹے گروہ اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں مختلف گروہوں کے مابین بہت سے مسلکی اختلاف ہوتے ہیں ۔ اس کتاب میں ہم ہندو مذہب کے عام پہلوؤں پر مختصر تحریر کریں گے ۔

۱۔ عبادت

ہندو اپنے گھروں اور مندروں میں پوجا کرتے ہیں ۔ کئی خوش حال لوگ اپنے گھروں میں ایک کمرہ یا اس کے کسی حصہ کو پوجا گرہ کی شکل میں دے دیتے ہیں اس پوجا گرہ میں وہ اپنے مخصوص دیوی دیوتا کی مورتی یا تصویر رکھتے ہیں پوجا کے وقت دیوتا کے سامنے دیپ جلاتے ہیں اور اگر بتی یا دھوپ کے دھوئیں سے خوشبو پیدا کرتے ہیں ۔

ہندوؤں کے یہاں پوجا ایک انفرادی فعل ہے عیسائی گرجا گھروں میں اجتماعی عبادت کی طرح کا ہندو ازم میں کوئی تصور نہیں ۔ لیکن ہندوؤں کی پوجا شاید ہی کبھی ذاتی نوعیت کی ہوتی ہو ان میں دیوتاؤں کے نام کی تکرار کے ساتھ ساتھ منتر اور مقدس اوراد دہرائے جاتے ہیں ۔ خدا تو بے نام ہے لیکن اس کے ہزاروں نام ہیں اس کا نام جپنا اور اس کے متعدد ناموں کو گانا ہندوں کی پوجا کا ایک خاص حصہ ہے اس ضمن میں ایک کہانی بھی دہرائی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے مرنے کے وقت کس طرح غیر ارادی طور پر خدا کا نام لے لیا اور اسے موکش حاصل ہوگئی ۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے لڑکے کا نام نارائن تھا جو خدا کا ایک نام ہے اس نے لڑکے کا نام لے کر پکارا جس کی وجہ سے نجات حاصل ہوگئی ۔

۲۔ مندر اور مندر پوجا

ہندوستان اپنے مندروں کے سبب مشہور ہے گو کہ شہروں میں عظیم الشان مندر

ہوتے ہیں لیکن ہر گاؤں کا اپنا ایک مندر ہوتا ہے ۔ بڑے بڑے شہروں میں عقیدت مندوں کی ایک بھیڑ روز حاضری دیتی ہے ۔ اس کے علاوہ لاتعداد چھوٹے چھوٹے روڈ سائڈ مندروں میں بھی مقامی لوگ اپنے مخصوص دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں ۔

طرز اور فکر کے لحاظ سے ہر مندر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے جہاں کسی مخصوص دیوتا کی پوجا ہوتی ہے ۔ مندر کا پجاری دیوتا کی مورتی کو نہلاتا ، کپڑے پہناتا اور کھانا کھلاتا ہے ۔ معتقدین دیوتا کو کھانے چڑھاتے ہیں اور پھر اسی کھانے کو (پرساد) لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔

ہندو مندروں میں بھیڑ ہوتی ہے اور شور ہوتا ہے ۔ اسی شور شرابے کے دوران معتقدین یکے بعد دیگرے پوجا کرتے ہیں اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں ۔ کبھی کبھی وہ دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کی پریکرما بھی کرتے ہیں ۔

۳ ۔ تیوہار اور تیرتھ یاترائیں

ہندو بہت سے تیوہار مناتے ہیں ۔ کچھ مقامی تیوہار ہوتے ہیں جیسے دیوالی (روشنی کا تیوہار) جسے راکشش راجہ پر کرشن کی فتح کے جشن کے طور پر مناتے ہیں اور کچھ علاقائی اور مقامی تیوہار ہوتے ہیں ۔ کچھ موسمی تیوہار بھی ہوتے ہیں جیسے کیرلا میں اونم اور تامل ناڈو میں پونگل تیوہار فصل کٹنے پر منائے جاتے ہیں ۔ کئی تیوہار دیوی دیوتاؤں کی نصرت اور برائی کے خاتمہ کی یاد میں منائے جاتے ہیں ۔ جیسے بنگال کا قومی تیوہار درگا پوجا جسے دیوی ماں درگا کے ذریعہ شر پر خیر کی فتح کی یاد میں مناتے ہیں ۔ اسی طرح دسہرہ تیوہار کو راون پر رام کی فتح کی یادگار میں مناتے ہیں ۔ ان تیوہاروں میں ناچ گانے اور ڈرامے کے پروگرام ہوتے ہیں ۔

ہندستان میں ہزاروں تیرتھ استھان ہیں ۔ ان میں بیشتر کا تعلق دیوی دیوتاؤں کے کارناموں سے ہے یا ان لوگوں سے ہے جن کا ذکر ہندستانی خرافیات میں ہوا ہے ۔ شمالی

ہندستان میں وندرا بن کو کرشن کے جائے پیدائش کے سبب تقدیس حاصل ہے ۔ کچھ تیرتھ استھانوں کو ان کے مندروں کے سبب شہرت حاصل ہے جیسے جنوبی ہندستان میں مدورائی اور رامیشورم کچھ تیرتھ استھان کسی مقدس دریا مثلاً گنگا یا کسی مقدس پہاڑی مثلاً تروپتی اور سابری ملائی سے متعلق ہوتے ہیں ۔ گنگا کو سب سے زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے ۔ اس کے منبع یا اسکے کناروں پر بسے ہوئے شہروں کو بھی اہمیت حاصل ہے مثلاً بنارس کا شمار ہندستان کے مقدس ترین مقامات میں ہوتا ہے ۔

لوگ زندگی میں کبھی بھی اور کسی وقت بھی تیرتھ استھان کی یاترا کر سکتے ہیں لیکن عام طور پر ایک متعین موسم میں یا متعین وقت میں لوگ تیرتھ یاترا کرتے ہیں۔ اس کا سبب موسم ہوتا ہے یا یہ تصور کہ کسی خاص موقع یا تیوہار پر یاترا کرنے کا زیادہ اجر ملتا ہے ۔

فرد، خاندان اور لوگوں کے بڑے گروہ، امیر و غریب، خواندہ اور ناخواندہ، زندگی کے ہر شعبہ اور ہر طبقہ سے متعلق افراد، گاہے گاہے، ٹرینوں، بسوں اور بیل گاڑی کے ذریعہ تیرتھ استھانوں کو جاتے ہیں، کبھی کبھی تو اپنا کپڑا اور کھانا لاد کر پیدل ہی طویل مسافت طے کرتے ہیں ۔ کئی تیرتھ استھانوں پر یاتری صرف دیوی دیوتاؤں کے درشن کرتے اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں لیکن دوسری جگہوں پر سخت مذہبی رسوم ادا کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً تروپتی کی یاترا کرنے والوں کو مندر کے احاطہ میں سر منڈانا ضروری ہوتا ہے ۔

۴ ۔ رسم و رواج

ہندوؤں کی ایک قدیم کتاب "منو کے قوانین" میں برہمنوں کے لیے بارہ مقدس رسموں کا ذکر ہے ۔ ان رسموں میں سب سے پہلی رسم حمل سے متعلق ہے لیکن آج کل روایتی ہندو بھی ان رسوم کی پابندی نہیں کرتے ہیں ۔ ہندوؤں میں پیدائش، شادی اور موت سے متعلق بہت سے رسم و رواج ہیں ہر علاقہ کی رسموں میں کافی فرق ہوتا ہے ہر ذات کے اپنے رواج ہوتے ہیں ۔ برہمن ابھی تک اپنے لڑکوں کو مقدس زنار پہنانے کی رسم کا جشن مناتے ہیں ۔ واضح رہے کہ برہمن کو یہ زنار تا عمر پہننا ہوتا ہے ۔

ہر ہندو کی زندگی میں علم نجوم کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے ۔ علم نجوم کے ذریعہ کسی شخص کی پیدائش پر تیار کیے زائچہ کی بنیاد پر اس کے اخلاق و کردار اور واقعات زندگی کی پیشگوئی کی جاتی ہے ۔ جیوتش میں پیدائش کے وقت کی بہت اہمیت ہوتی ہے ۔ اسی طرح ہندوؤں کے یہاں ہر عمل کا ایک مبارک وقت (شگون) ہوتا ہے ۔ خریدنے اور بیچنے ، بونے اور کاٹنے ، کا سفر کرنے ، تجارت شروع کرنے کا یہاں تک کہ شادی کرنے کا ایک شگون ہوتا ہے ۔

عام طور پر والدین دولہا اور دولہن کی شادی کرتے ہیں وہ دولہا کے زائچے ملاتے ہیں اگر دونوں میں مطابقت ہوتی ہے تبھی شادی طے پاتی ہو پاتی ہے ۔ شادیوں کے جشن کئی دنوں تک جاری رہتے ہیں لیکن بعض شادیاں انتہائی سادگی سے گھروں میں یا مندروں میں بھی ہو جاتی ہیں۔

ہندو اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا مردہ والدین کی چتا میں اگ لگاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک اولاد نرینہ کی بہت اہمیت ہے ۔

دقیانوسی ہندو "شدھ" اور "اشدھ" کا خاص خیال رکھتے ہیں پابندی سے روز اشنان کرنا اور منتخب کھانوں کو ہی کھانا ہندوؤں کے نزدیک شدھ ہونے کے مترادف ہے ۔

گو کہ سبزی خوری لازمی نہیں ہے لیکن بیشتر ہندو گوشت نہیں کھاتے ۔ جو ہندو گوشت کھاتے بھی ہیں وہ گائے یا بھینس کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں ۔ قدیم دور سے ہی گائے کو مقدس اور مبارک سمجھا جاتا ہے ۔ گاندھی جی کے بقول گائے کی پوجا کا مفہوم تمام زندگیوں کا احترام ہے ۔ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ دور حاضر میں گائے کی پوجا کا یہ مفہوم نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے ۔

۵ ۔ اختلاف میں اتحاد

ہندو ازم میں طرح طرح کے مذہبی خیالات و افکار اور رسم و رواج ہیں ۔ اس مذہب میں عام طور پر قدرتی طاقتوں کی پوجا ہوتی ہے ۔ دوسری جانب ہندو ازم میں روحانیت اور

بھکتی بھی ملتی ہے ۔ دانش وروں کے بقول خدا منتہائے حقیقت ہے ۔ وہ غیر مرئی روح کائنات ہے جس سے ملن موجب نجات ہے اس کے برعکس گاؤں کا سادہ لوح دہقاں دیوتاؤں کی بھکتی کرکے انھیں راضی رکھنا چاہتا ہے ۔ بایں ہمہ یہ سب ہندو ہیں ۔

وہ سوامی بھی ہندو ہے جو پالتی مار کر بیٹھتا ہے اور خدا اور کائنات کی قتہ تھیوں کو سلجھانے میں لگا رہتا ہے اور وہ بوڑھی عورت بھی ہندو ہے جو گنیش جی کے آگے سراپا عجز و انکسار کی مورتی بن کر کھڑی ہوتی ہے ۔ جو لوگ ماتھوں پر تلک لگاتے ہیں وہ بھی ہندو ہیں اور وہ لوگ بھی جو کبھی مندر نہیں جاتے ، پوجا نہیں کرتے اور کسی طور ہندو نہیں دکھائی پڑتے ۔ لیکن پھر بھی وہ فکر اور خیال کے سبب ہندو ہی ہیں ۔ ایک عام ہندو کہاوت ہے "جتنے دماغ اتنے ہی نظریات " رگ وید میں مذکور ہے " حقیقت ایک ہے نام مختلف ہیں " یہی وہ خیال ہے جو ہندو ازم کے بیشتر تضادات کی بنیاد ہے ۔ گیتا میں ارجن سے کرشن کہتے ہیں " بھگت جس طریقے سے بھی پرستش کرنا چاہے اس کے عقیدہ میں راسخ کر دیتا ہوں ۔ آدمی جس حال میں بھی مجھے پکارے میں اسے قبول کرتا ہوں کیوں کہ ہر راستہ میرا اپنا راستہ ہے "

(و) ہندو ازم کا مستقبل

ہندستان اور ہندو ازم

حالانکہ آزادی کا وہ قومی جوش سرد پڑ گیا لیکن ہندو ازم کا احیاء جاری ہے ۔ جنونی ہندوؤں نے چاہا تھا کہ ہندستان میں ہندو راج قائم ہو لیکن اس کے برعکس دوسرے لوگوں کی جدوجہد کے نتیجے میں آج ہندستان ایک سیکولر ریاست ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست کسی خاص مذہب کو اوروں پر فوقیت نہیں دیتی ہے ۔ ریاست عوام کے مذہبی عقائد اور رسم و رواج میں غیر جانب دار ہوتی ہے ۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب کی پیروی اور تبلیغ کی آزادی ہوتی ہے ۔

آج بھی ہندو ازم ملک کی اکثریت کا مذہب ہے ۔ اس ملک کا کلچر، مجموعی طور پر، ہندو کلچر ہے اور اخلاق و کردار ہندو اخلاق و کردار ہے ۔

ہندستان نے ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے ترقی اور جدید کاری کا بیڑا اٹھایا ہے ۔ اس نے تہیہ کیا ہے کہ غربت کا خاتمہ ہو اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو ۔ اس کے وہی مقاصد ہیں جو دنیا کے تمام ترقی پذیر ملکوں کے ہیں ۔ لیکن زبان علاقائیت، کثرت آبادی، غریبی اور سماجی عدم مساوات کے مسئلے عفریت بن کر سامنے کھڑے ہیں ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ روایتی ہندو ازم کی تعلیمات آزاد ہندستان کی تمناوں کی تکمیل میں کس درجہ معاون ہوں گی؟ جدید کاری میں ہندو ازم معاون ہوگا یا سد راہ؟ کیا یہ مجوزہ ترقی اور اس کے حصول کے لیے بنیاد اور مطلوبہ توانائی فراہم کرسکے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب چنداں اسان نہیں ہے ۔

فرسودہ روایتیں اور تبدیلیاں

آج ہندو ازم کو انھیں حالات کا سامنا ہے جن سے تمام مذاہب عالم دوچار ہیں ۔ چند ہندو دانش وروں کا خیال ہے ۔ کہ ہندو ازم تہ آب ہوجائے گا صرف بھکتی کی چند روایتیں سطح آب پر نظر آئیں گی لیکن دوسرے بہت سے دانش ور اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے ۔ وہ نہایت پر اعتماد اور جوشیلے لہجے میں کہتے ہیں کہ سیکولرزم کی تند و تیز آندھی سے ہندو ازم متاثر نہ ہوگا کیوں کہ اس کی مخفی طاقت نئے نظریات اور تازہ قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے کافی ہے ۔

ہندو ازم کے حامیوں کا کہنا صحیح بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ ماضی میں بھی ایسے ہی دشوار حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔ یہ ایک لچک دار مذہب ہے جو کسی شخص یا کتاب سے پیوستہ نہیں ہے ۔ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس میں سخت نامساعد حالات قائم و دائم رہنے اور ہوا کے سمت بہنے کی صلاحیت ہے ۔ یہ اپنے ظاہری تحمل سے اپنے مخالفین کو تھکا دیتا ہے ۔

ہندو ازم نے اپنی بہت سی سماجی برائیوں پر قابو پالیا ہے بہت سے معاملات میں اس نے سماجی قوانین کے آگے سر تسلیم خم کردیا ہے ۔ذات پات کے نظام میں اب وہ سختی باقی نہیں رہی ۔ چھوا چھوت کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے ،عورتوں کو آزادی ملی ہے ۔ پرانے اوہام اور سماج مخالف رسم و رواج مثلاً ستی اور کم سنی کی شادی کا خاتمہ ہوچکا ہے ۔

گو کہ دیہی معیشت کو صنعتی نظام نے اس بری طرح متاثر کیا ہے کہ دیہی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے اور شہری تمدن نے خاندانی نظام کو تہ و بالا کرڈالا ہے لیکن پرانی قدروں میں اب بھی طاقت باقی ہے ۔ حالانکہ روایتی قدریں ختم ہوئی ہیں لیکن ان کی جگہ ہنوز پر نہیں ہوئی ہے ۔ ذات پات کے نظام کا سامنا ابھی بھی ہے ۔ ذات پات بظاہر باقی نہیں لیکن ذہنی طور پر ابھی بھی مضبوط ہے ۔ ذات پات کا نظام کس قدر حاوی ہے اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ بہت سے مقامات پر عیسائی بھی ذات پات کے شکنجے میں گرفتار ہیں ۔

بہت سے ہندو راسخ العقیدہ نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود مندروں اور تیوہاروں کی وہی ہمہ ہمی باقی ہے ۔شہر کے مندر ہوں یا دیہات کے ان میں عقیدت مندوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے ۔نئے نئے مندروں کی تعمیر بھی جاری ہے ۔ نت نئے مسلک اور متوں کا ظہور ہوتا ہے تیرتھ استھانوں کی یاترا بھی جاری ہے ۔گیروے رنگ کے لباس میں سادھو اب بھی سڑکوں پر ٹہلتے نظر آتے ہیں ،کلائیوں پر گھڑی اور ہاتھوں میں ٹرانسسٹر سے ان کے زہد میں کمی نہیں ہوتی ۔

بھارتیہ ودیا بھون جیسے بڑے پبلشر ہندو مذہب اور کلچر پر کتابیں اور رسالے شائع کرتے رہتے ہیں ۔ قدیم ہندو تعلیمات کو جدید زندگی میں کارگر بنانے کی کوششیں جاری ہیں ۔ مختصراً ہندو ازم آج بھی ایک زندہ مذہب ہے ۔

A Guide to Religion سے ترجمہ

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہندو اور آریہ کی وجہ تسمیہ

ملک ہندوستان کی رہنے والی تمام قومیں ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی، بودھ، عیسائی وغیرہ لفظ "ہندی" یا "ہندوستانی" میں بخوشی شامل ہوجاتی ہیں لیکن لفظ ہندو" کے مفہوم سے سکھ پارسی، بودھ، مسلمان، عیسائی جدا ہوجاتے ہیں۔ چونکہ اچھوت اقوام کو دوسری اقوام کے مساوی معاشرتی حقوق عطا کرنے کی تحریک کچھ دنوں سے ہندوؤں میں جاری ہے لہٰذا جن لوگوں پر لفظ ہندو بولا جاتا ہے ان میں آج کل برہمن، راجپوت اور ویش تین ہی قومیں جو جنیو استعمال کرنے کی حقدار ہیں شامل سمجھی جاتی تھیں۔ شودر قوموں میں عموماً ہندوستان کے قدیم باشندے شامل ہیں جن میں سے ایک بڑے حصے کو ہندوؤں نے اپنی خدمت گزاری کے لئے ضروری سمجھ کر کچھ ادنیٰ درجہ کی رعائتیں دے دی ہیں مثلاً کمہاروں کو برتن اور کھانے کی چیزیں چھونے کی اجازت ہے۔ اسی طرح چماروں کو کچھ رعایات حاصل ہیں۔ بہرحال ہندوستان کی قدیم عظمت کو انہیں ہر سہ دو جنمہ قوموں نے اپنے بزرگوں سے وابستہ سمجھا ہے اور جب ہندو تہذیب، ہندو علوم، ہندو طاقت ہندو مذہب، ہندو تمدن، ہندو معاشرت وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان کے مفہوم کو انہیں ہر سہ دو جنمہ قوموں سے تعلق ہوتا ہے۔ لفظ ہندو ان اقوام کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں سال سے مسلسل استعمال ہوتا رہا ہے اور آج کل بھی مستعمل ہے لیکن چالیس پچاس سال ہوئے کہ ہندوؤں کے ایک جدید مذہبی فرقے نے جس کے بانی پنڈت

دیانند سرسوتی صاحب آنجہانی ہیں اپنے آپ کو ہندو کہلانا نہ چاہا اور اپنا نام آریہ تجویز کیا چنانچہ آج کل لفظ آریہ سے عام بول چال میں ہندووں کا یہی مذکورہ فرقہ مراد لیا جاتا ہے (اب چند سال سے آریہ فرقے کے لوگ بھی اپنے آپ کو ہندو ہی کہنے لگے ہیں) لیکن مورخین کی اصطلاح میں آریہ اور ہندو دونوں لفظ مترادف اور ہم مفہوم ہیں یعنی دو لوگ جو کسی قدیم زمانے میں شمال یا شمالی و مغرب کی جانب سے ہندوستان میں آکر اور اس ملک کے قدیم ترین باشندوں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ گزیں یا قتل ہونے کے لئے مجبور کر کے خود ہندوستان پر قابض و متصرف ہوگئے تھے۔ انہیں قدیم فاتحین کی اولاد برہمن، راجپوت یا چھتری اور دیش تین قوموں میں تقسیم ہوگئی۔ ان لوگوں کی زبان سنسکرت تھی اور انہیں لوگوں نے ہندوستان کو ممالک عالم میں نامور بنایا اور یہی لوگ ہندو کہلاتے ہیں پس آریہ یا ہندو ایک ہی قوم یا ایک ہی مجموعہ اقوام کا نام ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر لفظ ہندو بولا جاتا ہے آریہ نہیں بولا جاتا لیکن تاریخ کی کتابوں میں مورخین ہندو کی جگہ لفظ آریاہ استعمال کرتے ہیں۔ وید اور منوسمرتی میں بھی لفظ آریہ استعمال ہوا ہے۔ مورخین اس لئے بھی لفظ آریہ استعمال کرنے پر مجبور ہیں کہ اسی ہندی آریہ قوم کی ہم نسل دنیا کے دوسرے ملکوں میں اور قومیں بھی ہیں ان کو بھی آریہ اقوام کہا جاتا ہے ان پر ہندو کا لفظ نہیں بولا جاسکتا۔ لہذا جب اقوام عالم پر بحث کی جاتی ہے تو ہندوستان کی آریہ اقوام کو "ہندوستانی آریہ" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے بہر حال اس وقت آریہ اور ہندو دونوں لفظوں کی حقیقت و اصلیت پر غور کرنا مدنظر ہے۔

سنسکرت اور فارسی زبان میں ہ اور س کا بدل ہوجاتا ہے مثلاً ہفت اور سپت، یا موریہ اور ہوریہ یا سندھو اور ہندو، یا سوما اور ہوما، یا ماہ اور ماس یا وس اور وہ، یا سوم اور ہوم وغیرہ ہم معنی الفاظ ہیں س والے الفاظ سنسکرت زبان کے اور ہ والے فارسی زبان کے ہیں۔ فارسی زبان میں ہندو کے معنی سیاہ کے ہیں۔ سنسکرت زبان میں سندھو دریا اور سمندر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سام یا سم کے معنی دونوں زبانوں میں سیاہ کے ہیں جن ملکوں میں سورج کی دھوپ تیز ہوتی ہے وہاں رہنے سے انسان کے رنگ میں سیاہی

آجاتی ہے بنابریں ایرانیوں نے سورج کا رنگ سیاہ مانا ہے آگ چیزوں کو جلا کر کوئلہ یعنی سیاہ کردیتی ہے لہٰذا انہوں نے آگ کی اصل رنگت بھی سیاہ مان کر آگ کا ایک نام سم رکھ لیا۔ اسی لفظ سم سے "سم اندر" کا مخفف سمندر بنا۔ سمندر ایک جانور کا نام ہے جو آگ میں پیدا ہوتا اور آگ ہی میں زندہ رہتا ہے آگ سے باہر نکلتے ہی مرجاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ چوہے کے برابر اور چوہے سے مشابہ ہوتا ہے پانی کی عظیم الشان جھیل یا بڑے دریا کو بھی سمندر اسی لئے کہا گیا کہ زیادہ گہرا پانی سیاہ نظر آتا ہے۔ اب باسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ سندھو کے معنی سنسکرت میں سمندر یا بڑے دریا کے اسی مذکورہ لفظ سام یا سم کے تصور کی بناء پر تھے۔ چنانچہ ہندوستان یا پنجاب کا سب سے بڑا دریا خاص طور پر سندھو کے نام سے موسوم ہوا اور اسی لئے اس دریا کا نام نیلاب بھی ہے یعنی نیلا پانی ظاہر ہے کہ سیاہ اور نیلی رنگتوں میں کس قدر مشابہت ہے اور نیلاب کا ترجمہ کالا پانی یا کالا دریا بھی کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال سنسکرت کا سندھو اور ایرانی زبان کا ہندو جس کے معنی سیاہ کے ہیں ایک ہی لفظ ہے۔ رگوید میں ہندوستان کے شمال و مغربی علاقے یعنی سات دریاؤں والے ملک کو "سپتہ سندھو" کہا گیا ہے اور اسی ملک کو ژنداوستا میں "ہپتہ ہندو" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ان سات دریاؤں میں سب سے بڑا اور سرحد ایران کے قریب جو دریا ہے اس کو خاص طور سندھو اور نیلاب بولا جاتا ہے۔ اس سپتہ سندھو یا ہپتہ ہندو علاقے میں جو غیر آریہ قومیں آریوں کی آمد سے پیشتر آباد تھیں وہ ایرانیوں یا تورانیوں کے مقابلہ میں سیاہ فام، غیر تربیت یافتہ اور نامہذب تھیں۔ اور تمام ایرانی یا آریہ ان کو ہندو یا سندھو کہتے تھے اور اس طرح لفظ کا مفہوم کالا آدمی، چور، رہزن اور غلام ہوگیا جیسا کہ فارسی زبان کی لغات میں لفظ ہندو کے یہیں معنی درج ہیں زحل سیارے کی نسبت قدیم سے قوموں کا خیال ہے کہ اس کا رنگ سیاہ ہے لہٰذا اس کو "ہندوے فلک" کا خطاب دیا گیا، فارسی محاورے میں چڑیل اور پلید عورت کو "ہندوزن" کے نام سے پکارا گیا ہے جب ایرانیوں یا آریوں کا ایک حصہ پنجاب کو فتح کرکے ہندوستان میں سکونت پذیر ہوگیا تو ایرانیوں نے ان کو بھی ہندو کے نام سے یاد کرنا شروع کیا لیکن ان آریوں

نے اپنے آپ کو ہندو نہیں کہا اور ممکن ہے کہ اسی لئے انہوں نے ہندوستان کے قدیم باشندوں یعنی ہندوؤں سے اپنے آپ کو بالکل الگ اور ممتاز رکھنے کی کوشش میں قدیم باشندگان ہند کو ویدوں کی ہوا تک نہیں لگنے دی اور اپنی معاشرت و تہذیب و اخلاق کو بھی ان سے جدا اور محفوظ رکھنا ضروری سمجھا کہ کسی طرح ان پر لفظ ہندو کا اطلاق نہ ہوسکے ۔ لیکن چونکہ آریوں کا یہ حصہ جس نے ہندوستان پر قبضہ کیا ایرانی یا تورانی آریوں سے ناراض اور خانہ جنگیوں میں مغلوب اور وطن سے بیدخل ہوکر آیا (جیسا کہ اس کے زبردست قرائن موجود ہیں اور وہ اپنے موقع پر بیان ہوں گے) لہذا ایرانی و خراسانی و بابلی ان کو ازراہ طنز بھی اور پستہ ہندو کا باشندہ بن جانے کے اعتبار سے بھی ہندو ہی کہتے رہے ۔ ان آریوں نے ایک عرصہ دراز تک اپنے آپ کو ہندو کہلانے سے پرہیز کیا اور یہاں کے قدیم ہندوؤں کو بھی ہندو کہنا ترک کرکے ان کو ویسیو دشت وغیرہ ذلیل خطابات دیئے اور کبھی کبھی ایرانی و بابلی ہم قدم رقیبوں کو جوابا چڑانے اور ترکی بترکی جواب دینے کے لئے اسریا اہر کے ناموں سے ان ذلیل و مقہور قدیم باشندگان ہند کو مخاطب کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ رگوید سے لے کر منوسمرتی کے زمانے تک ان آریوں نے اپنے آپ کو لفظ ہندو سے بچایا چنانچہ وید یا منوسمرتی میں ہندو کا لفظ آریہ قوم کے لئے قطعا نہیں بولا گیا ۔ بخلاف اس کے انہوں نے اپنے سفید رنگ ہونے پر جابجا فخر کیا ہے جیسا کہ وید کے گیتوں سے ثابت ہے ۔ اس کے بعد جب اور متعدد گروہ اسی طرح شمالی و مغربی ملکوں سے فاتحانہ آ آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے اور ان پہلے آئے ہوئے آریوں میں گھل مل گئے تو پھر اس لفظ ہندو میں آریوں کے لئے وہ اذیت رساں اور رنج دہ مفہوم باقی نہ رہا اور جب پنجاب و سندھ کا علاقہ مفتوح ہوکر ایران کی اشکانی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا تو ہندوستان والوں کے لئے عام طور پر ہندو استعمال ہونے لگا ۔ اس کے بعد سے ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو ہندو کہنا شروع کردیا اور آج کل تو جیسا کہ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہے لالہ ہردیال نے انگلستان میں لفظ ہندو کے متعلق ہندوؤں کو سمجھایا اور نہایت جوش کے ساتھ وعظ فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو ہندو کہہ کر تمہارا سینہ ازراہ فخر آگے کو

ابھر جانا چاہیئے۔

اب رہا لفظ آریہ۔ یہ بہت قدیم لفظ ہے جو ایک اس قوم کا نام تھا جس کا ایک حصہ ہندوستان میں آیا، ایک حصہ ایران میں سکونت پذیر ہوا، ایک حصہ بحیرہ کاسپین کے قریبی علاقوں میں مسکن گزیں ہوا۔ وہاں سے ایک حصہ جزیرہ نما ملتان اور اٹلی کی طرف گیا ایک حصہ جرمنی ہوتا ہوا انگلستان کے جزیروں تک پہنچ گیا۔ چنانچہ ملک ایران کا نام ہی خود بتا رہا ہے کہ یہ ایریا یا آریہ لوگوں کا ملک ہے۔ ہرات کی وجہ تسمیہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ وہ آریہ قوم کا دارالصدر رہا ہے۔ ملک ایران میں غیر معروف قدیم مخروطی حروف میں لکھے ہوئے ایسے کتے زمانہ حال میں پڑھے گئے ہیں جن کی زبان سنسکرت زبان سے مشابہ اور زنددادستا کی زبان ہے ان میں شاہ گشتاسپ کے نام کے ساتھ آریہ کا لقب موجود ہے۔ قدیم یونانی مورخ سلطنت ایران کے تمام مقبوضہ ممالک کو ایریانہ کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ ہیروڈوٹس مورخ نے ایران کے کئی پادشاہوں کے ناموں کے ساتھ لفظ آریہ استعمال کیا ہے بابلی لوگوں میں مادی مورخ نے آری آئی اور اس کی ایک شاخ کو آرنیرنتی کہا ہے۔ آرمینیا کا ملک اور آمینین قوم بھی آریا سے تعلق ظاہر کر رہی ہے کوہ قاف میں آیرن قوم موجود ہے۔ شمالی یونان یعنی علاقہ تھریس کا پرانا نام آریا تھا۔ آئرلینڈ کی رہنے والی کیلٹ قوم کا قدیم نام آئرن تھا چنانچہ اسی کے نام سے یہ جزیرہ موسوم ہوا۔ اوستا میں ایک آیت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "آریانہ ویجو ہی سب سے قدیم زمانہ میں کاشت شدہ سرزمین تھی باقی تمام زمین بنجر تھی۔" اس سرزمین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سرد علاقہ تھا۔ غالبا یہی علاقہ کل آریہ اقوام کے آباو اجداد کا ابتدائی مسکن ہوگا اور اس قوم نے سب سے پہلے چوبانی کے ساتھ کاشتکاری بھی وہیں سیکھی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ چوپان کو زمین کی محبت نہیں ہوتی۔ وہ جس زمین میں اپنے جانوروں کے چرانے کے لئے سبزی دیکھتا ہے وہیں مقام کر دیتا ہے جب وہاں جانوروں کا چارہ ختم ہوجاتا ہے تو اس علاقے کو چھوڑ کر فورا دوسری چراگاہ کی تلاش میں چل دیتا ہے لیکن کاشتکار کو زمین کی محبت ہوتی ہے وہ جس جگہ کھیتی شروع کر دیتا ہے پھر اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور ہمیشہ

اس پر قابض رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے صوبے میں دیکھتے رہے ہیں کہ کاشتکاروں کو دخیل کار اور موروثی بننے کی کس قدر خواہش و آرزو ہوا کرتی تھی۔اب چند سال سے جدید قانون نے قریبا ہر ایک کاشتکار کو حق دخیل کاری عطا کردیا ہے لیکن چونکہ یہ دخیل کاری نسلا بعد نسل جاری نہیں رہ سکتی اس لئے کاشتکار کچھ زیادہ خوش نہیں ہوتے جو دلیل اس بات کی ہے کہ کاشتکاروں کو زمین کی اس قدر زیادہ محبت ہوجاتی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی پوری زندگی بلکہ اپنی آئندہ نسلوں میں بھی اپنی زیر کاشت زمین کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔پس اس قوم نے جب کاشتکاری سیکھ لی تو زمین کے قبضے کی بابت آپس میں ضرور جھگڑا ہوا ہوگا اس لئے کہ قوم میں تعداد نفوس نے ترقی کی اور زیر کاشت زمین محدود تھی بنابریں طاقتور افراد نے کمزوروں کو مار کار نکال دیا یا وہ خود ہی دوسری قابل زراعت زمین کی تلاش میں وہاں سے نکل گئے۔اسی شوق زراعت نے اس قوم کو دنیا کے دور دراز علاقوں تک پہنچا دیا۔جس طرح زنددادستا میں کاشتکاری اور فن کاشتکاری کی تکریم موجود ہے اسی طرح رگ وید میں جابجا کاشتکاری اور اس کے متعلقات کا ذکر موجود ہے۔کہیں کھیتوں کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے برہسپتی سے التجا کی گئی ہے کہیں ہرنوں کے شکار کرنے والوں اور کرخت آواز بھیلوں سے کھیتوں کو محفوظ رکھنے کے لئے امداد چاہی گئی ہے۔یجروید ادھیائے اسنترا میں ہے کہ "اے کسانو! تم اناج وغیرہ بونے کے لئے زمین کو پھاڑنے والا جو "پھال" ہے اور اس پھال کو مضبوط کرنے کے لئے اس کے پیچھے جو لکڑی کی خوبصورت پٹ لگی ہوئی ہے س سے اناج پیدا کرنے والی زمین کو پھاڑو۔اسی طرح تم اپنے خوبصورت رتھوں کو چلاو اور اپنی حفاظت کرو" پھر ایک جگہ اسی وید اور اسی ادھیا میں ہے کہ "اے انسانو! تم بلوں کو جوے میں لگا کر کھیتی کی خاطر زمین کو اچھی طرح جوتو اور اس کو اچھی طرح جوت کر اس میں جو وغیرہ اناج بوو۔جو محنت کرنے والا کاشتکار ہے اس کو چاہئے کہ بیلوں کے ذریعے ہل میں پھال لگا کر زمین کو جوتے۔"

غرض اس بات کے لئے زیادہ وضاحت اور دلائل کی ضرورت نہیں کہ ویدوں

کے مطالعہ سے بلا اشتباہ یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آریا قوم ایک کاشتکاری پیشہ قوم تھی اور دودھ کے جانور گائے بکری وغیرہ بھی پالتی تھی۔ بابل و نینوا کی آسوری زبان میں آری کے معنی جتے ہوئے کھیت یا کاشت شدہ زمین کے تھے۔ بنجر زمین کو لا آری کہتے تھے اسی ملک کی کوشی زبان میں ارارا کے معنی فصل کا کاٹنا ہیں۔ ہنٹر اور مشہور سنسکرت داں میکسمولر کا قول ہے کہ لفظ آریہ سنسکرت زبان کے مصدر آر سے مشتق ہے جس کے معنی کاشتکاری اور زمین پھاڑنے کے ہیں لہذا آریہ کے معنی کاشتکار ہوئی۔ آر چمڑا سینے کے اور زار او بیل ہانکنے کے ڈنڈے کو بھی کہتے ہیں جس کے سرے پر ایک نوکدار کیل لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اس طرح آریہ کے معنی چمڑا سینے اور بیل ہانکنے والا ہوئے۔ اس ملک کے قدیم باشندے چونکہ فن کاشتکاری سے ناواقف اور شکار پر گزران کرنے والے تھے لہذا وہ انار یا یا غیر آریہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ چونکہ یہ غیر آریہ سیاہ فام، پست فطرت، چپٹی ناک والے، کم ہمت اور چھپ چھپ کر حملہ کرنے والے تھے لہذا قدرتی طور پر لفظ آریہ میں روشن چہرہ، اونچی ناک والے، بلند حوصلہ اور شریف کا مفہوم پیدا ہوجانا چاہیے تھا چنانچہ یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

لن ڈی سلوا

بدھ مت ۔۔۔ ایک مطالعہ

بدھ مت کروڑوں انسانوں کا مذہب ہے ، جو جزیرہ لنکا سے جزائر جاپان تک پھیلے ہوئے جزائر اور براعظم ایشیا کے ممالک کے بڑے وسیع حصوں میں آباد ہیں۔ عیسائیت اور اسلام کی طرح یہ بھی ایک تبلیغی مذہب ہے اور آج مغربی ممالک تک پھیل گیا ہے۔

بدھ مت کا دعوی ہے کہ وہ دنیا کے بڑے اور بہت زیادہ مقبول مذاہب میں سے ایک ہے۔ اس کے عقیدوں اور اس کے پیروؤں کے طرز عمل کو انسانی ضرورتوں کے مطابق رکھا گیا ہے اور اس میں مافوق الفطری تصورات و عقائد کے سہارے کے بغیر انسان کے روحانی مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اس معاملہ میں یہ مت دوسرے مذاہب سے مختلف ہے۔ اس میں نہ خدا کے لئے کوئی مقام ہے نہ کسی نجات دہندہ کی ضرورت۔ وہ نجات کو مکمل طور پر خود انسان کے اپنے قبضہ میں دے دیتا ہے۔

بدھ مت ڈھائی ہزار برس سے چلا آرہا ہے۔ یہ انسانوں کو معقول اور بااخلاق بنانے میں ایک بڑی قوت ثابت ہوا ہے اور آرٹ ، ادب اور دوسری ثقافتی سرگرمیوں کے لئے اس نے ایک داعیہ پیدا کیا ہے۔ آج یہ برما ، تھائی لینڈ ، تبت ، کوریا اور لاؤس کا سرکاری مذہب ہے ، سری لنکا کی اکثریت کا مذہب ہے اور چینیوں اور کوریا والوں کی آبادی کے ایک کثیر حصے کا مذہب بھی یہی ہے۔

بدھ مت دو خاص شکلوں اور بہت سے فرقوں میں منقسم ہے۔ دو بڑی شکلیں ہیں :

تھراوڈا یا (ہنایانا) بدھ مت ، جو جنوبی ایشیائی ممالک میں رائج ہے خصوصا برما ،

تھائی لینڈ اور سری لنکا میں لوگ اس پر عامل ہیں۔ دوسری شکل مہایانا بدھ مت ہے جن کے پیرو چین، جاپان، تبت اور منگولیا میں پائے جاتے ہیں۔ ان دونوں مکاتیب کی بنیادی تعلیمات سدھارتھ گوتم نامی شخص کا نتیجہ فکر ہیں۔ جس کی زندگی اور مثال اس کے کروڑوں پیروؤں کے لئے عظیم روحانی فیضان کا باعث ہوئی ہے۔

الف۔ بدھ مت کا بانی

بدھ مت کے موسس "گوتم بدھ" کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں اور اب اتنے عرصہ بعد تاریخی واقعات اور عوام میں مشہور کہانیوں میں تمیز کرنا دشوار ہے۔ یہ تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھٹی صدی قبل مسیح پیدا ہوا اور بھارت کے مشرقی حصہ میں، جسے اب بہار کہا جاتا ہے، اس کی پرورش ہوئی۔ یہ مقام غالبا کپلوستو تھا جو اس کی خاندانی ریاست ساکیا کا صدر مقام تھا، اس کی زندگی کا مندرجہ ذیل حال ان کہانیوں سے ماخوذ ہے جو عوام کی ایک کثیر تعداد میں معروف و مقبول ہیں۔

بدھا کا خاندانی نام گوتم یا (گوتما) تھا اور اس کا ذاتی نام سدھارتھ تھا جو کم ہی مستعمل ہے۔ اس کا باپ سدھو دھن طبقہ اشراف سے تعلق رکھنے والا ایک ہندو ریاست کا حکمراں تھا، نوجوان شہزادہ، شہزادوں ہی کی طرح ناز و نعمت میں پلا تھا۔ چونکہ گوتم اکلوتا بیٹا تھا اس لئے اس کے باپ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اسے ضرورت کی ہر چیز مہیا کردی جائے اور اس کی تعلیم کا بھی بندوبست تھا تاکہ وہ اپنے قبیلہ کا سردار اور باپ کا جانشین بن سکے۔

گوتم کی تعلیم نہ صرف ان علوم میں ہوئی تھی جو اس کے زمانے کے بڑے صاحبان علم اسے دے سکتے تھے بلکہ سارے مردانہ فنون میں بھی اسے مہارت حاصل تھی۔ خصوصا تیر اندازی، جس میں اس نے خصوصی امتیاز پیدا کرلیا تھا۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے ایک بہت حسین و جمیل لڑکی سے شادی کرلی جس کا دل اس نے اپنی تیر

اندازی کے کسی مقابلے میں جیت لیا تھا۔ اس وقت سے تقریبا تیرہ سال اس نے بڑے عیش و عشرت کی زندگی گزاری ۔ اس کا باپ اس امر کی احتیاط کرتا تھا کہ اسے ایسی چیزوں سے بچا کر رکھا جائے جس سے اسے تکلیف پہنچے ۔ لیکن وہ یہ احتیاط ہمیشہ تو برت نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا ایسا وقت آیا جب نوجوان شہزادہ نے زندگی کے انتہائی تکلیف دہ حقائق کا مشاہدہ کیا۔

ایک دن شہزادہ ایک پر تکلف آراستہ رتھ میں سوار ہوکر شہر کی گلیوں میں گھومنے نکلا کہ اس کی راہ میں اچانک ایک آدمی اپنی جھونپڑی سے لڑکھڑاتا ہوا نکلا جس کے جسم پر چیتھڑوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کی نظر کمزور تھی اور اس کے دانت گر گئے تھے ۔ جب شہزادہ کی اس پر نظر پڑی تو اسے بڑی اذیت پہنچی اور وہ گھر اس حالت میں واپس ہوا کہ اس پر خوف طاری تھا اس نے اپنا شاہی باغ کا دورہ ملتوی کر دیا جہاں وہ کھیلوں میں شریک ہونے جارہا تھا۔

کسی دوسرے موقع پر، جبکہ شہزادہ اپنے رتھ میں سوار جارہا تھا اس نے سنا کوئی مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی ایک بیمار شخص کو دیکھا جو زمین پر پڑا اپنے جسم کو بل دے رہا تھا وہ کراہ رہا تھا، آہیں بھر رہا تھا، اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھی ۔ ایک بار پھر اسے بڑا صدمہ پہنچا اور دہشت زدہ سا وہ گھر واپس ہوا۔

ایک موقع پر شہزادہ نے ایک لاش دیکھی جسے گریہ و بکا میں مصروف لوگوں کی ایک بھیڑ لئے جارہی تھی وہ دم بخود ہوگیا اور خاموشی کے عالم میں گھر آگیا۔ وہ اپنے کمرہ میں گیا اور زندگی کے معمے کے بارے میں سوچنے لگا اسے غم و اندوہ کا احساس ہوا، جس کے لئے بعد میں اس نے ایک لفظ "دکھا" کا استعمال کیا جسے عام طور پر مصیبت یا اذیت و غم کے معنے میں بے احتیاطی سے استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس لفظ سے ہی اس نے انسانی زندگی کی اس حقیقت کا اظہار کیا ۔ اس نے اپنے دل میں اس طرح سوچنا شروع کیا: یہاں اس زندگی میں پیدا ہونا، بوڑھا ہوجانا، مرجانا اور بار بار پیدا ہونا ہے ۔ لیکن افسوس کہ اس اذیت اور مصیبت سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے ۔ بڑھاپے اور موت سے بھی بچنے کی کوئی تدبیر نہیں۔

اس سوال کا جواب اسے ایک دوسرے موقع پر ملا جب کہ اس نے ایک متین و وجیہ جوگی (تارک الدنیا فقیر) کو ایک ڈھیلے ڈھالے نارنجی رنگ کے لباس میں دیکھا۔ شہزادہ نے اس جوگی کی طرح دنیا کو ترک کردینے اور اس فانی زندگی کے دکھوں سے دور سکون اور تحفظ کی تلاش میں نکلنے کا فیصلہ کر ڈالا۔

ایک دن جبکہ اس کی عمر انتیس سال کی تھی اور اسی دن جبکہ اس کے ہاں بڑی مرادوں کے بعد ایک بیٹا راہل پیدا ہوا تھا۔ گوتم نے اپنے گھرانے اور گھر کو چھوڑنے ،اور جب تک زندگی کے راز کا مسئلہ حل نہ ہوجائے اس وقت تک واپس نہ آنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ ایک جنگل میں داخل ہوا اور دور تک اندر چلا گیا۔ اس نے اپنا سر مونڈ ڈالا اور ایک سنیاسی کا زرد لباس اختیار کرلیا۔ مسلسل چھ برس تک وہ اپنے مسئلہ کے حل کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ اپنے دور کے مشہور فلسفیوں سے علم کا متلاشی رہا اور ترک دنیا کی انتہا درجہ کی سختیاں جھیلیں۔ آخر فاقے کرتے کرتے اس کا جسم دبلا اور کمزور ہوگیا۔ پانچ سنیاسیوں نے اس کی بڑی تعریف کی اور رفقاء کی حیثیت سے اس کے ساتھ شریک ہوگئے۔ لیکن یہ رفاقت زیادہ عرصہ تک نہ نبھ سکی۔ اسے احساس ہونے لگا کہ انتہائی درجہ کا سنیاس یا ترک لذات صحیح طریق کار نہیں ہے اور اس نے پھر ایک بار معمول کے مطابق کھانا پینا شروع کردیا۔ اس پر اس کی سنیاسی رفیقوں نے اس کا ساتھ ترک کردیا۔

ان سارے جتنوں کے بعد گوتم ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور قسم کھاکر یہ عہد کیا کہ جب تک اس کو اپنی جستجو اور تلاش کا جواب نہیں مل جاتا وہ وہاں سے نہیں اٹھے گا "مارا" آزمائش میں ڈالنے والے (شیطان) نے اس کو طوفانوں، موسلادھار بارشوں، چمکتے ہتھیاروں سے اسے ڈرانا شروع کیا۔ اور اسے دنیا بھر کی دولت دینے کا لالچ بھی دیا۔ لیکن گوتم پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تب انچاس (۴۹) دن کے مراقبہ کے بعد مئی کے مہینہ میں چودھویں شب کے چاند کی روشنی میں، اس مقام پر جسے اب بہار میں بودھ گیا کہتے ہیں اس نے اپنی آخری کوشش کرڈالی اور اسے وہ روشنی مل گئی جس کی اسے تلاش تھی، اسے زندگی کے معمے کا حل مل گیا تھا، اس کے

بعد اسے بدھا کہا جانے لگا جس کے معنی ہوتے ہیں روشنی یا گیان (معرفت) حاصل کر لینے والا۔ معرفت کو " بودھی " کہا جاتا ہے اور وہ درخت جس کے نیچے اسے گیان حاصل ہوا تھا بودھی ورکش، (شجر معرفت) کہلایا جانے لگا۔

بدھا کو جب گیان حاصل ہوا تو اس کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔ اس کے بعد پینتالیس (۴۵) سال تک وہ مسلسل شمالی ہند میں گھومتا رہا، اس پورے عرصہ میں وہ امید اور مسرت کے پیغام کی تعلیم اور تبلیغ میں مصروف رہا اور اسے اس نئے مذہب میں داخل ہونے والے بہت سے پیرو مل گئے۔ وہ ایسی زندگی گزار رہا تھا جس کی سرگرمیوں میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رات کو صرف دو گھنٹے سوتا تھا۔ وہ اسی (۸۰) سال کی عمر میں کوسی نارا کے مقام پر چاند کی چودھویں تاریخ کو فوت ہو گیا۔

ب۔ بدھ مت کی تعلیمات

پہلا تبلیغی خطاب جو بدھا نے گیان کے فوراً بعد ہی ان پانچ سنیاسیوں کو دیا جو اس کے ساتھی بن گئے تھے اس میں اس کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اس اپدیش میں اس نے زندگی کے دکھوں اور تکلیفوں سے بحث کی اور اس راہ عمل کی نشان دہی کی جس سے اس مشکل مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس کے اس پیغام کا خلاصہ یہ ہے:

معزز سنیاسیو! وہ شخص جو دنیا سے ترک تعلق کر چکا اسے دونوں میں سے کسی انتہا کی قریب نہ پھٹکنا چاہیئے۔ اسے اس ذہنیت سے بہت دور رہنا چاہیئے جو نفسانی خواہشات سے تعلق رکھنے والی لطف اندوزیوں سے وابستہ ہے کیونکہ وہ نیچ، احمقانہ، عامیانہ، ذلیل اور بے سود ہے۔ اسے دوسری انتہا کے قریب اس لئے نہیں جانا چاہیئے کہ اس کا تعلق ترک دنیا اور مکمل ترک لذات سے ہے اور وہ انتہائی تکلیف دہ، غیر شریفانہ اور بے سود ہے۔ ان دونوں انتہاؤں سے دامن بچاتے ہوئے اے معزز سنیاسیو! درمیانی

راہ اختیار کرو جس سے بصیرت اور گیان حا ل ہوتا ہے اور وہ (راہ) بالآخر سکون، گیان اور شانتی کی طرف لیجانے والی ہے۔

محترم سنیاسیو! وہ درمیانی راہ کیا ہے جو امن و آشتی کی طرف لے جانے والی ہے؟ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی "ہشتگانہ راہ" ہے یعنی صحیح اور سچی بات، صحیح عمل، صحیح معاش، صحیح سعی و جہد، صحیح فکر، صحیح ارتکاز، صحیح آرا، صحیح سوچنے کا انداز۔ محترم راہب ساتھیو! درمیانی راہ امن و سلامتی کی طرف لے جاتی ہے۔

معزز سنیاسی ساتھیو! یہ ہے رنج و محن کے بارے میں اعلیٰ درجہ کی سچائی۔ اس کرہ ارض پر گزاری جانے والی زندگی یقیناً اندوہ گیں ہے، زوال پذیر و افسوس ناک ہے، بیماری، موت، غیر پسندیدہ لوگوں سے اتحاد، اور پسندیدہ سے علحدگی رنج کا باعث ہوتی ہے۔ وہ خواہش جس کی تکمیل نہ ہوسکے، رنج کا باعث ہوتی ہے۔ مختصر بات یہ ہے کہ خواہشات کی راہ پر چلنا رنج و غم کا سبب بنتا ہے۔

اے محترم سنیاسیو! رنج و محن کی ابتداء (منبع) کے بارے میں اعلیٰ درجہ کی سچائی یہ ہے کہ یہ وہ مسلسل خواہش ہے جس کا تعلق لطف اندوزی سے ہے اور جو ہر جگہ حظ نفس کی متلاشی رہتی ہے، یہی اس رنج و غم کا سبب ہے، دوسرے الفاظ میں یہ ہماری لطف اندوزی کی خواہش ہے، انفرادی وجود کی خواہش اور اپنی، ذات کو ہلاکت میں ڈالنے کی خواہش ہے۔

اور پھر محترم سنیاسیو! غم کے سلسلے کے بند ہونے اور حصول مسرت کے بارے میں یہ واضح سچائی ہے یہ خواہش کا سلسلہ مسدود کرنے والی سچائی ہے، یہ واقعتاً اعلیٰ پایہ کی "ہشتگانہ راہ" ہے۔

اور اے محترم سنیاسیو! جیسے ہی کہ ان چار صداقتوں کے بارے میں میرا علم اور بصیرت مکمل ہوئی، میں نے جان لیا کہ مجھے اعلیٰ ترین اور بھرپور گیان اور روشنی حاصل ہوگئی، میرے اندر اس بات کا شعور ابھرا اور پوری طرح یقین ہوگیا کہ میرا ذہن آزاد ہوچکا ہے اور یہ کہ اس ناپسندیدہ شکل میں زندگی کا اختتام ہوچکا ہے اور آئندہ کبھی وہ ناگوار صورت حال باقی نہ رہے گی نہ اس کا اعادہ ہوگا۔

۱۔ چار نکات

آئیے اب اس کلام نصیحت آمیز کا جائزہ لیں یہ چار نکات پر مشتمل ہے :۔

۱۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ رنج و تکلیف ایک کائناتی حقیقت ہے ۔ جس میں تبدیلی، خلاء، عدم تکمیل اور تصادم کا مفہوم بھی شامل ہے ۔

۲۔ دوسرے نکتہ سے دکھ اور رنج کا سبب معلوم ہوتا ہے ۔ دکھوں اور تکلیفوں کا سبب خواہش ہے ۔ یہ اپنی ذاتی تکمیل کے لئے خواہش کی بھوک، پیاس اور طلب ہے ۔ یہ لطف اندوزی اور کسی پر لطف مشغلہ کے لئے مسلسل کوشش جو، اگر وہ وقتی طور پر کسی قدر اطمینان کا باعث ہوتے بھی ہیں تو مزید خواہشات پیدا کرنے والے بھی ہوتے ہیں ۔ لوگ اپنی تسکین اور ذاتی اطمینان ان چیزوں کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جن کے بارے میں انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کا تجربہ حاصل کر سکیں گے اور چونکہ وہ ساری چیزوں کی صحیح نوعیت سے واقف نہیں ہوتے اسی لئے وہ غلط روی کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ اشیاء سے ان کا تعلق ان کی عدم واقفیت کی بنا پر ہوتا ہے ۔ عدم واقفیت یا جہالت خواہش کی طرف لیجاتی ہے ۔ اور خواہش سے تکلیفیں اور دکھ جنم لیتے ہیں ۔

۳۔ تیسرا نکتہ واضح کرتا ہے کہ ایک ایسی حالت بھی ہوتی ہے جس میں خواہشات کی پیدا کردہ تکالیف اور ان کی غلامی سے مکمل آزادی میسر آجاتی ہے ۔ یہ ایک ناقابل بیان مسرت و شادمانی اور امن و سکون کی حالت ہوتی ہے ۔ اس حالت کو " نروان " کہا جاتا ہے ۔

۴۔ چوتھا نکتہ وہ راہ دکھاتا ہے جو نروان کی طرف لے جاتی ہے ۔ اسے اعلیٰ درجہ کی " ہشتگانہ راہ " کہا جاتا ہے ۔ اسے درمیانی راہ بھی کہتے ہیں ۔ اسے تن پروری اور تعذیب نفس یا خود آزاری کی دو انتہائوں کی درمیانی راہ کا نام بھی دیا گیا ہے ، دونوں انتہائیں بے فیض (بلکہ تباہ کن) ہیں ۔ درمیانی راہ طور طریقہ اور چلن کے آٹھ فرائض یا اصولوں پر مشتمل ہے جو مندرجہ ذیل ہیں :

اخلاق

(۱) صحیح کلام۔ کذب بیانی، بدگوئی، نا ملائم زبان اور فضول گفتگو سے پرہیز۔
(۲) صحیح عمل۔ قتل، چوری اور جنسی بے راہ روی سے پرہیز۔
(۳) صحیح معاش۔ ذریعہ معاش ایسا اختیار کرنا جس سے کسی نفس (جاندار شئے) کو آزار نہ پہنچے۔

ارتکاز

(۴) صحیح سعی و جہد۔ برے خیالات کو دور رکھنا اور ان پر قابو پالینا۔ اچھے خیالات پیدا کرنا ان کو اور قائم رکھنا۔
(۵) صحیح استحضار ذہنی۔ جسم، احساسات اور ذہن کی ہر حالت پر پوری باخبری کے ساتھ توجہ دینا۔
(۶) صحیح ارتکاز۔ کسی ایک شئے پر ذہن کو مرتکز کرنا تاکہ گہرے مراقبہ میں مخصوص شعوری حالتیں اپنے اوپر طاری کی جاسکیں۔

حکمت

(۷) صحیح آراء۔ چاروں صداقتوں کو سمجھنا۔
(۸) صحیح فکر۔ بغض و عداوت، خواہش نفس، ظلم (بے رحمی) اور جھوٹ سے آزادی حاصل کرنا۔

اس "راہ ہشتگانہ" سے بصیرت اور حکمت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے جو عدم واقفیت یا جہالت کو دور کردیتی ہے۔ اس کا پھل متانت، علم اور روشنی ہیں جو نروان یا مکمل امن و سکون اور روحانی مسرت کی حالت ہے۔

تاہم ایک امر قابل توجہ ہے اگرچہ بدھ مت سکھاتا ہے کہ ہر شخص کو کسی نجات

دہندہ کی اعانت کے بغیر اپنی نجات کی راہ خود پیدا کرنی چاہئے مگر بدھ مت کی دونوں شاخوں میں خود بدھا پر عقیدہ (ایمان) رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ مہایانا بدھ مت میں بدھا نجات دہندوں کی شکل اختیار کرلیتا ہے ۔ تھیراوڈا بدھ مت میں ہر عبادت گزار اپنی روزانہ کی عبادت میں کہتا ہے :

"میں بدھا کی پناہ لیتا ہوں ۔"

۲۔ روح کی عدم موجودگی

بدھ مت یہ نہیں سکھاتا کہ انسان ایک لافانی ابدی روح کا مالک ہے ۔ اس کے بجائے بدھ مت کہتا ہے کہ کوئی روح موجود نہیں ہے ۔ ان ۔ اتا (روح کا عدم وجود) ۔ روح کی عدم موجودگی کا یہ نظریہ بدھا کی ، تکلیف اور دکھ کے بارے میں اس کی تعلیم میں مضمر ہے ۔ چونکہ ساری ہی اشیاء دکھا ، تکلیف زوال صحت اور موت کے زیر اثر ہیں تو کوئی بھی چیز مستقل یا دائمی وجود رکھنے والی نہیں ہوسکتی ۔ سب چیزیں تغیر پذیر ہیں اور غیر مستقل ، اس لئے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جو تغیر کے قانون کے تحت نہ آتی ہو (اس سے مستثنیٰ ہو) ۔

زندگی کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے بدھا اس نتیجہ پر پہنچا کہ روح یا ذات جیسی کسی چیز کا وجود نہیں ہے ۔ بدھا نے کہا : " میں " ہمیشہ بدلتی رہنے والی قوتوں کا ایک مجموعہ ہے جو سب مل کر کسی ہستی کی ساخت میں شامل ہوتی ہیں ۔ یہ قوتیں ، بصارت ، سماعت ، حاسہ ، دماغی سرگرمیاں اور اشیاء کے خواص جیسے کہ وہ ہیں یعنی ٹھوس پن ، حرارت اور حرکت کے احساسات ہیں ۔ جہاں کہیں یہ قوتیں مل کر عمل کرتی ہیں وہاں ایک وجود ظہور پذیر ہوجاتا ہے جو کوئی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اسے کوئی نام دے دیا جاتا ہے ۔

چونکہ وہ قوتیں جو مل کر اس وجود کی صورت گری کرتی ہیں ہر لمحے بدلتی رہتی ہیں اس لئے یہ وجود بھی مسلسل تغیر پذیر ہوتا ہے ۔ کبھی کوئی شخص یا شے متواتر دو لمحات

یکساں حالت میں نہیں رہتے ۔ یہ سنیما کے پردہ پر نظر آنے والی تصویر کی طرح ، جو ہزاروں بہت چھوٹے نقوش سے مل کر بنتی ہے جن میں سے ہر نقش علیحدہ اور ممیز ہوتا ہے لیکن جو پردہ پر اس قدر تیزی سے حرکت کرتے ہیں کہ وہ مسلسل نظر آتے اور ایک مکمل تصویر کی شکل اختیار کرلیتے ہیں (یا نظر کو ایسا دھوکا ہوتا ہے) ۔ اسی طرح جسمانی اور دماغی قوتوں سے ایک فریب نظر وجود میں آتا ہے جس سے ایک شخص کے وجود کا احساس ہوتا ہے اور یہ ، خواہش یا طلب پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے ۔ اس سے خود غرضی ، انانیت ، بغض ، عناد ، نفرت ، فریب ، کبر ، ربط و تعلق اور وہ تمام دوسری برائیاں وجود میں آتی ہیں جو ہمارے ذہن میں آسکتی ہوں ، یہی وہ سب کچھ ہے جو دکھ اور تکلیف کا مفہوم ہے ۔

اس لئے دنیا کی ساری برائیوں کا علاج ، ذات ، کے غلط تصور سے نجات پانے میں ہے ۔ ہر شخص کو اس کا احساس ہونا چاہئے کہ نام نہاد " ذات ، (وجود) ہر دم بدلتے ہوئے ذہنی اور مادی عناصر کا مجموعہ ہے جس سے تبدیلیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔ انسانی شخصیت ایک بغیر روح والا وجود " انا " ہے ۔

۳ ۔ کرم کا فلسفہ اور پیدائش بار دگر (تناسخ)

اگر کسی انسان نے مرتے وقت وجود کی سچی فطرت کا احساس ، زندگی کی خواہش کو مکمل طور پر فنا کردینے کی شکل میں نہیں کیا ہے تو یہ خواہش تازہ حیات کو مجتمع کرلیتی ہے ایک نئی ذہنی ، جسمانی ساخت اور ایک نیا وجود ظہور میں آجاتا ہے ۔ جب تک خواہش باقی ہے ، زندگی جاری رہے گی اور کرم کا قانون اسے جاری رکھنے والا ہوگا ۔

کرم کا قانون سبب اور اس کے اثر کا قانون کہا جاسکتا ہے ۔ جو چیز کسی پہلے سبب کا نتیجہ ہوتی ہے وہ خود کسی دوسری چیز کا سبب بن جاتی ہے جو اس کے بعد آنے والی ہے انسان نے جو بویا ہے اس کی فصل ضرور کاٹے گا جیسا کہ ایک ہندوستانی ضرب المثل واضح کرتی ہے ۔

"جو آم کا درخت لگاتا ہے وہ آم کھائے گا اور جو خاردار جھاڑیاں اگاتا ہے وہ اپنے پاؤں کو زخمی کریگا"۔

اچھے کاموں کے نتائج اچھے ہوتے ہیں اور برے اعمال کے نتائج برے ہی ظہور میں آتے ہیں کرم کا قانون خود ہی برسر عمل رہتا ہے کوئی خدا بھی اس قانون میں مداخلت نہیں کرسکتا ہے دعائیں رسوم و رواج اور نیاز نذروں کی پیشکش اس قانون میں تبدیلی پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں یہ وہ قانون ہے جو کائنات کے ہر شعبہ میں صحیح ثابت ہوتا ہے۔

جب تک کہ کرم کا قانون موجود اور برسرکار ہے ہر وجود پیدا ہوتا ہے۔ مرتا ہے اور پھر مختلف حالتوں میں اپنے اچھے برے اعمال کے ساتھ (دوبارہ) پیدا ہوتا رہے گا یہ مسلسل وجود پیدائش موت اور باربار پیدائش، سمسرا، یا تجسیم نو کے نام سے موسوم ہے سمسرا، زندگی یا وجود کے پورے دور (چکر) ماضی حال اور اور مستقبل کا احاطہ کرنے والا ہے ہمارے پیچھے (ماضی میں) گزشتہ زندگیوں کا ایک طویل منظر ہے اور ہمارے سامنے (مستقبل) جب تک کہ کرم کا قانون برسر عمل رہتا ہے، بے شمار زندگیوں کا امکان ہے تجسیم نو یا پیدائش باردگر میں انسان کسی حیوان، بھوت یا دیوتا کی شکل میں پیدا ہوسکتا ہے۔

ایک سوال جو ناگزیر طور پر اٹھتا ہے یہ ہے کہ اگر روح اور شخص (ذات) کا وجود نہیں ہے تو وہ کون ہے جو بار دگر جنم لیتا ہے؟ کیا وہ پہلے والا شخص ہی ہے (جو مرچکا ہے) یا کوئی اور؟ بدھ دھرم کا اس سوال کا روایتی جواب یہ ہے کہ وہ نیا پیدا ہونے والا شخص نہ تو وہ پہلے والا شخص ہے جو مرچکا ہے اور نہ کوئی دوسرا ہے ایک زندگی سے دوسری زندگی تک منتقل ہونے والی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ اس شخص کی پہلی زندگی کا ذاتی کرم ہے جس سے نئی زندگی وجود میں آتی ہے نئی زندگی گزشتہ زندگی کی طرح نہیں ہوتی۔ لیکن یہ نئی زندگی (پہلی زندگی سے) بالکلیہ مختلف بھی نہیں ہوتی اور اس کا سبب کرم کا قانون ہے یا سبب اور اثر کا قانون۔

۴۔ نروان (منزل مقصود)

کیا یہ تھکا دینے والا وجودی دور ، ایک کے بعد دوسری زندگی کا یہ چکر ہمیشہ جاری رہے گا؟ بدھا نے جواب دیا تھا نہیں (ایسا نہیں ہوگا) اس کا اولین مقصد ایسا راستہ تجویز کرنا تھا جس سے تجسیم نو یا پیدائش باردگر کا سلسلہ ختم کیا جاسکے ۔ یہ وہ درمیانی راہ ہے آٹھ اعمال پر مشتمل ہے ۔جس کی منزل مقصود نروان (مکمل نجات) ہے

نروان کے لغوی معنے ہیں ختم ہوجانا یا بجھ جانا جیسے آگ بجھ جاتی ہے ۔ یہ تشبیہ استعمال کرتے ہوئے بدھا نے کہا تھا کہ دنیا میں آگ لگی ہوئی ہے جو خواہشات کی روشن کی ہوئی اور بھڑکائی ہوئی ہے تجسم نو اس آگ کا ایک سے دوسرے تک سلگتے اور روشن ہوتے جانا ہی ہے ۔ اور اس سے ہی پیدائش بڑھاپے زوال صحت موت اور دکھ ، یاس فکر و پریشانی وغیرہ کی بہت سی آگیں جلتی رہتی ہیں ۔ نروان کے ساتھ زندگی ۔ اپنی انتہا اور اختتام کو پہونچ جاتی ہے ایک مفہوم میں یہ فنا ہے لیکن یہ ذات کا فنا ہونا نہیں ہے کیونکہ اناتا کے عقیدہ کے مطابق ذات کا تو وجود ہے ہی نہیں جسے فنا کرنا ضروری ہو بلکہ یہ تو ذات کے بارے میں فریب نفس کی فنا ہے اور اس کے ساتھ وہ سب کچھ بھی جو اس فریب کے گرد جمع ہے یا اس میں معاونت کرتا ہے زندگی کی پیاس خواہش نفس یا ہوس اور لالچ ، خود غرضی خواہشات اشتہائیں اور دکھوں کی ساری دوسری شکلیں فنا ہو جاتی ہیں ۔آگ بجھ گئی ہے کیونکہ اس کو جلتا رکھنے کے لئے کوئی ایندھن موجود نہیں رہا ۔

نروان لاشے محض نہیں ہے اسے پناہ کا محفوظ مقام ، ٹھنڈا غار ، سیلابوں کے درمیان جزیرہ ، پرامن اور بابرکت مقام ، آزادی اور نجات ، سلامتی سہولت اور آرام کا گھر ، دکھ کا اختتام ، اعلی ترین مسرت کہا جاتا ہے

نروان جنت یا ابدی سعادت کا اس دنیا وی زندگی میں تجربہ ہے یہ کوئی ایسی حالت نہیں جو مستقبل بعید میں حاصل ہونے والی ہو ۔ نہ یہ ایسی حالت ہے جسے صرف تھوڑے سے لوگ حاصل کرسکتے ہیں ۔ ہر شخص اس کے حصول کے قابل ہے اگرچہ بہت تھوڑے ہی لوگ (بلکہ شاید ہی کوئی) اسے بھرپور طور پر اس زندگی میں

حاصل کر سکتے ہوں۔ بودھوں کی مقدس کتابوں میں رشیوں منیوں کی متعدد کہانیاں ملتی ہیں جنہوں نے نروان کے لامحدود امن و سکون اور مسرت کا تجربہ کیا تھا۔

بدھ مت رشیوں منیوں (باکمل ہستیوں) کو مرنے کے بعد میسر آنے والی جنت کے بارے میں بتاتا ہے اسے پری نروان کہا جاتا ہے چونکہ رشی منی میں خواہش کا کوئی شائبہ تک باقی نہیں رہ جاتا اس لئے اس کے دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ختم ہوجاتی ہے اس مقدس ہستی رشی منی یا مکمل انسان کو کس کیفیت سے سابقہ پیش آتا ہے ہم یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے انسانی ذہن اس کے تصور اور بیان سے قاصر ہے تاہم ایک مشہور بیان اسے ایسی حالت سے تعبیر کرتا ہے جہاں نہ کوئی ٹھوس ہے نہ رقیق و سیال نہ حرارت ہے نہ ہوا نہ یہ دنیا ہے نہ کوئی اور نہ سورج ہے نہ چاند نہ اٹھ کھڑا ہونا نہ گزر جانا (موت) نہ ہی ساکن کھڑے رہنا (یکساں غیر مبدل حالت) نہ پیدا ہونا نہ مرنا نہ جوہر (اصل الاشیاء) نہ نشو و نما نہ جوہر کے لئے کوئی بنیادی شے نروان کوئی ذاتی حالت نہیں ہے کہ بلکہ جنت کی ایک کیفیت ہے اور آخری بلند درجہ کی مسرت۔ بودھوں کا یہ بلند ترین مقصد ہے جس کی طرف "ہشتگانہ راہ" رہنمائی کرتی ہے۔

۵۔ تقدس کی راہ

اس شخص کو جو اعلیٰ درجہ کی ہشتگانہ راہ پر صبر کے ساتھ جما رہتا ہے اسے تقدس کے چار مقامات سے گزرنا پڑتا ہے جہاں وہ قدم بقدم ان دس سلاسل (بیڑیوں) سے نجات حاصل کرتا ہے جو لوگوں کو دکھ کی زندگی سے باندھے رکھتی ہیں۔

۱۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جس میں کوئی شخص مکمل طور پر پہلی تین بیڑیوں سے آزاد ہوجاتا ہے۔

(الف) یہ غلط عقیدہ کہ وہ ایک حقیقی غیر مبدل روح رکھتا ہے

(ب) بدھا کے بارے میں شکوک و شبہات

(ج) ان رسوم کا عادی ہونا جن کو دکھوں سے نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور ساتھ ہی ۰ فوق البشری ذرائع پر انحصار کرتے ہوئے مختلف شکلوں میں منتر رسوم و آداب پرستش وغیرہ سے نجات پانا وہ شخص جس نے راہ کی پہلی منزل پالی ہو کبھی دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ کسی دیوتا یا انسان کی شکل میں جنم لے اسے ہمیشہ کے لئے حیات کی ان ادنی شکلوں میں دوبارہ پیدائش سے آزادی مل جاتی ہے اسے " اسٹریم ونر " یا بہاؤ پر قابو یافتہ کہا جتا ہے

۲۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے جس میں کوئی شخص اگلی دو بیڑیوں کی گرفت سے تقریبا آزاد ہوجاتا ہے اگرچہ مکمل طور پر نہیں ایسا شخص صرف ایک بار انسانی زندگی میں واپس آسکتا ہے کسی جنت میں ایک دیوتا کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے بعد ۰ اسے ایک بار واپس آنے والا کہا جاتا ہے ۔

۳۔ تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں کوئی شخص چوتھی اور پانچویں (دو) بیڑیوں مطلقا آزاد ہوجاتا ہے ۔

(د) حسی لذت اندوزیاں اس میں ہر قابل حصول لذت کی خواہش شامل ہے خواہش نفس فطری شفقت جسمانی لذات سے جائز حدود میں استفادہ ۰ اور دوسری بہت سی ذہنی اور معاشرتی مسرتیں جنہیں عام طور پر مرغوب خیال کیا جاتا ہے ۔

(ہ) غصہ ۰ اس میں ہر قسم کا بغض و عناد شامل ہے جو کسی دوسرے کو اذیت رسانی کی خواہش تک لے جائے وہ شخص جس نے تیسری منزل طے کرلی ہے زمین پر کبھی دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ بلند ترین جنت میں پہونچ جاتا ہے ۔ جہاں سے وہ نروان کا مقام پالیتا ہے اسے پلٹ کر نہ آنے والا کہا جاتا ہے

۴۔ چوتھی منزل جہاں کوئی شخص مکمل طور پر مندرجہ ذیل بقیہ پانچ بیڑیاں توڑ کر مکمل طور پر آزاد ہوجاتا ہے

(و) جسمانی مادی شکل میں ادنی درجہ کی جنتوں میں سے کسی میں زندگی گزارنے کی خواہش

(ز) جسمانی مادی شکل کے بغیر ایک دیوتا کی طرح بلند ترین جنتوں میں سے

کسی میں رہنے کی خواہش

(ح) غرور

(ط) اضطراب یا بے کلی

(ی) جہل یا علم کا فقدان

ج۔ راہبانہ یا خانقاہی بدھ مت

وہ منزل جو بدھ مت نے متعین کی ہے وہ عام آدمی کی رسائی سے بہت دور ہے اور ہشتگانہ راہ کے اصولوں پر عام لوگوں کا عمل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے ایسا کرنے کے لئے روز مرہ کی زندگی کے ہنگاموں سے مکمل علیحدگی ضروری ہے یہ سب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کی ساری چیزوں سے تعلقات ترک کر لئے جائیں اور وہ سارے انسانی تعلقات بھی منقطع ہوں جو لوگوں کو گزرتے ہوئے مظاہرات اور واقعات سے وابستہ کئے رہتے ہیں اس انداز کی تو تھوڑے ہی لوگ سازگاری کر سکتے ہیں اس لئے ابتدائی زمانہ میں ایک خانقاہی (راہبانہ) نظام قائم ہو گیا تھا۔

اگرچہ بودھوں کی ایک بہت بڑی اکثریت نیم یا غیر راہب (مذہب سے معمولی واقفیت رکھنے والے) ہیں لیکن ان میں پورے راہب یا مکمل سنیاسی بھی ہیں جو خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی معیاری تعلیمات پر پوری طرح عامل ہیں تھیرا وڈا بودھ ملکوں میں بدھ سنیاسی آسانی سے پہچانے جا سکتے ہیں وہ اپنا سر منڈاتے ہیں اور زرد لباس پہنتے ہیں وہ یا تو تنہا رہتے ہیں یا دنیا بھر میں پھیلی ہوئی بودھ خانقاہوں میں سے کسی میں مقیم رہتے ہیں ایک سنیاسی سے انتہائی سادہ زندگی بسر کرنے کی توقع کی جاتی ہے جس کے پاس نہ کوئی سامان ہوتا ہے نہ روپیہ پیسہ، یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ صرف بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ اسی بنا پر اسے بھکشو (بھکو) یا بھیک مانگنے والا فقیر کہتے ہیں۔

بھکو کو بہت ہی سادہ زندگی بسر کرنی ہوتی ہے اس کے پاس سامان ضرورت انتہائی کم ہونا چاہئے ضابطہ کی رو سے تو اسے صرف آٹھ چیزوں رکھنے کا حق ہے اپنے

لباس کے تین مختلف اجزا۔ ایک پیٹی (کمر پٹکا یا کمر کے گرد لپیٹنے کی ڈوری) ایک کاسہ گدائی پانی چھانتے کے لئے ایک چھنا (تاکہ جاندار کیڑے مکوڑے پانی کے ساتھ پیٹ میں نہ چلے جائیں) سر مونڈنے کے لئے ایک اسرا اور (پھٹے) کپڑوں کی مرمت کے لئے سوئی (تاگا)

سنیاسیوں کو کھانا کھانے کی اجازت سورج نکلنے کے بعد سے دوپہر تک ہی ہے ان کی غذا عام طور پر نباتات (ساگ سبزی) پر مشتمل ہوتی ہے اور بھیک میں ملنے والا کھانا یہ ضرورت پوری کرتا ہے ان کے کاسہ گدائی میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں انہیں انتخا ب کی آزادی نہیں ہے بلکہ جو کچھ مل جائے کھالیتے ہیں جانوروں کا گوشت ہو تو اس سے بھی پرہیز نہیں انہیں مزیدار کھانوں کی خواہش نہیں کرنی چاہئے بلکہ صرف بقاء حیات کے لئے کھالینا کافی ہے۔

تھیراوڈا ممالک میں سنیاسی متاہل زندگی سے گریز کرتے ہیں لیکن کوریا اور جاپان میں بعض بودھ فرقے اپنے سنیاسیوں کو شادی کرنے کی اجازت دیتے ہیں

تھائی لینڈ اور برما میں تقریبا سب ہی مرد اپنی زندگی کے کم از کم چند ہفتے کسی خانقاہ میں راہب کی حیثیت سے ضرور گزارتے ہیں وہ وقت ان کی تعلیم و تربیت کی مدت میں شمار ہوتا ہے جس کے لئے حکومت سارے انتظام کرتی ہے۔ تقریبا یہی سب شرکاء اس کے بعد اپنی غیر راہبانہ زندگی میں دوبارہ داخل ہوجاتے ہیں اگرچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض بقیہ زندگی راہب کی حیثیت سے خانقاہ میں گزارتے ہیں۔

بودھ سنیاسی گروہ بنا کر رہتے ہیں مہینے میں دو بار یہ اعتراف گناہ کے لئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس مجلس میں راہبانہ زندگی کے دوسو ستائس (۲۲۷) قاعدے اور ضابطے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اس گروہ میں سے جس کسی نے ضابطہ کی خلاف ورزی کی ہو وہ اس کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے گروہ کی طرف سے اس کی گناہ کی معافی کا اعلان ہوتا ہے۔

ایک بودھ راہب سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنا وقت مطالعہ اور مراقبہ میں اور مقدس احکام اور بیانات کی تلاوت میں صرف کرے گا اور بعض دوسرے راہب اگر خود نہ پڑھ سکیں تو ان احکام اور بیانات کو دوسروں سے سننے میں مصروف رہیں گے۔

اس کے فرائض میں تبلیغ خصوصا ایام السبت اور دوسرے خصوصی مواقع پر میت کی تدفین کے موقع پر رسوم کی نگرانی بعض دوسرے رسوم بجالانے اور بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے لئے سرگرمی شامل ہے۔ وہ کسی شادی سے پہلے منتر پڑھنے کا فریضہ بھی انجام دے سکتا ہے لیکن اس کا مخصوص کام جہاں تک نیم راہبوں کا تعلق ہے بودھ طرز زندگی کا نمونہ پیش کرنا اور نروان کے راستہ کی نشان دہی کرنا ہے۔

بودھ راہب اپنے لئے مذہبی پیشوائی کے حقوق پر دعویدار نہیں ہوتے ان کے گروہ میں برادریاں، جتھے یا منڈلیاں ہیں بدھا کے زیادہ سنجیدہ اور اس سے گہرا (قلبی) لگاؤ رکھنے والے پیروں کے دو خاص مقصد ہوتے ہیں دل کی پوری آمادگی کے ساتھ راہ ہشتگارنہ پر چلنے سے لگاو اور بدھا کی تعلیمات کو ساری مخلوقات کے بھلے کی غرض سے پھیلانے کے لے زوردار سعی و جہد۔

د۔ بودھ مت کی توسیع

گوتم بدھ کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد بدھ مت ہندوستان بھر میں پھیل گیا۔ ابتداہی سے بدھ مت کا کردار تبلیغی تھا اور بدھا اپنے چیلوں کو یہ کہہ کر تبلیغ کے لئے روانہ کیا کرتا تھا۔

اے بھکوؤ۔ جاؤ اور ایک بڑی تعداد کے فائدے کے لئے گھومتے پھرو دنیا پر ترس کھاتے ہوئے اور دیوتاؤں اور انسانوں کی بھلائی کے لئے، تم میں سے کوئی دو بھی ایک راہ پر نہ جائیں اے بھکوؤ اس نظریہ اور عقیدہ کی تبلیغ کرو جو ابتدا، درمیان اور آخر میں اپنی روح اور لفظ کے اعتبار سے یکساں جلیل القدر ہے تقدس اور پاکیزگی کی ایک عملی زندگی کا اعلان کرو۔"

پرجوش مبلغوں کی مسلسل انتھک کوششوں کے نتیجے میں یہ مذہب دور دور پھیل گیا۔

بہت سے اعلیٰ اور ادنیٰ لوگ بدھ مت کے حلقہ میں داخل ہوگئے سب سے

زیادہ حیرت انگیز واقعہ تو ہندوستان کے عظیم شہنشاہ اشوک کا بدھ مت اختیار کرنا تھا جس نے ۲٦۹ سے ۲۳۷ ق م میں ہندستان پر حکومت کی اسے خونریزی سے شدید نفرت اور اپنے اس فعل پر رنج و پشیمانی کا ایسا تسلط ہوا کہ اسے بدھ مت میں ہی سکون میسر آیا۔ وہ پہلے تو نیم راہب بنا لیکن بعد میں سنیاسی کی زندگی اختیار کرلی اس نے اپنی سلطنت کے دھرم کو بدھ مت کے اصولوں پر قائم کیا۔

اپنے دور حکومت میں اشوک نے مختلف ملکوں میں اپنے مبلغ ، نہ صرف ہندوستان سے قریب کے ممالک بلکہ مصر شمالی افریقہ شام اور مقدونیہ (یونان) تک بھیجے ان مبلغوں نے اس مذہب کی تبلیغ کی جسے آج ہنا یانا یا تھیراوڈا بدھ مت کہا جاتا ہے اور یہ سری لنکا برما اور تھائی لینڈ میں اچھی طرح اپنی جڑیں جما چکا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ بہر حال بدھ مت کی ایک زیادہ سہولت پسند اور آزاد خیالی پر مبنی شکل ظہور میں آگئی۔ اس کی ابتدا کا پتہ بدھا کی مت کے تقریبا دو سو برس بعد کے زمانہ میں چلتا ہے لیکن ہ پوری طرح پھلا پھولا پہلی صدی عیسوی میں مذہب کی یہ شکل تھی جو شمالی ممالک چین کوریا اور جاپان میں پھیلی جہاں اس نے مضبوطی سے جڑ پکڑلی۔

ایک مقبول عوام کہانی کے مطابق ایک چین شہنشاہ نے جس کا عہد ٦۵ عیسوی کے لگ بھگ ہے خواب میں دیکھا کہ بدھا کی ایک طلائی مورتی مغرب سے نمودار ہوئی۔ اس لئے اس نے ہمالیہ کے اس طرف اپنے قاصد بھیجے کہ اس کی خواب کی تصدیق ہو سکے کہا جاتا ہے ہ یہ قاصد اپنے ساتھ بدھا کی تعلیمات لے کر واپس ہوئے یہ ممکن ہے کہ اس ابتدائی دور میں بدھ مت کے مبلغ سنیاسی پہاڑی دوروں سے ہو کر شمال کی طرف بڑھتے ہوں ہمیں ایسے دو زائرین کے حالات سفر کے ریکارڈ ملے ہیں ان میں سے ایک فاہیان ۳۹۹ عیسوی میں چین سے روانہ ہوا اور وسط ایشیا میں سخت پریشانیاں اور مصیبتیں جھیلتا ہوا ہندوستان پہنچا اور پندرہ سال یہاں قیام کیا اس نے ہندوستان اور اور اس کے باشندوں نے ایک عینی مشاہدہ پر مبنی حال مرتب کیا جسے اب بھی مورخین پڑھتے ہیں دوسرا زائر ہوان سانگ ٦۲۹ ، میں چین سے روانہ ہوا۔ صحراء گوبلی کو طے کرکے ہندوستان پہنچا جہاں اس نے سولہ سال بدھ مت کے گہرے مطالعہ

میں گزارے وہ بہت سی کتابیں اور قلمی نسخے لے کر چین واپس گیا۔ بعد کے زمانے میں اس نے اپنے شاگردوں کی مدد سے بودھ ادب کا چینی زبان میں ترجمہ کیا، کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار سے زائد کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تھا

چین سے بدھ مت کوریا اور جاپان میں جاکر پھیلا جاپان بدھ مت کا ایک عظیم اور مستحکم مرکز ہے ساتویں صدی عیسوی میں جاپان کے ایک عظیم شہزادہ شوٹوکو نے بدھ مت اختیار کرلیا اور جاپانیوں نے اسے چینی کلچر کے ساتھ قبول کیا۔ جاپان میں بدھ مت ایک بہت ہی ترقی یافتہ مذہب کی حیثیت سے ہندوستان اور چین کی عظیم تہذیبوں سے مالامال پہنچا اغلبا اس کی بدولت ہی بدھ مت نے لوگوں کی زندگیوں پر بہت وسیع اثرات مرتب کئے جاپان میں چین سے کہیں زیادہ اس نے لوگوں کی زندگی میں مقام پایا آج جاپان میں بدھ مت ایک زبردست قوت ہے۔

بدھ مت تبت میں بھی داخل ہوگیا اور منتشر خانقاہوں میں موجود رہا۔ لیکن ۷۵۰ عیسوی میں پدما سمبھا نامی ایک ہندوستانی بودھ سنیاسی پہاڑوں کو پار کرکے تبت پہنچا اور بدھ مت کی ایک بالکل مختلف اور عجب و غریب شکل کا پرچار کیا جسے تانترک دھرم کہا جاتا ہے یہ مہایانا بدھ مت ہندومت سے ماخوذ بعض ساحرانہ اور صوفیانہ نظریات و عقائد اور تبت میں چلے آرہے قدیم مذہبی اعمال کا ملغوبہ ہے تانترک دھرم میں دعائیں رسمی رقص۔ شیطانوں اور بھوتوں کا اتار اور جادوی منتر شامل ہیں۔

۵۔ بودھ صحائف

بدھ مت کے صحیفے بھی اسی طرح لکھے گئے تھے جیسے کہ عہدنامہ جدید ضبط تحریر میں آیا۔ گوتم کے پیروؤں کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے گرو کے الفاظ ٹھیک ٹھیک لکھ لیں اور وہ قوانین بھی۔ جو اس نے خانقاہی (راہبانہ) زندگی کے لئے تجویز کئے تھے۔ اور دوسرے درجہ میں نمایاں اہل علم (اسکالرز) کے ذریعہ اس کی تعلیمات کی تعبیرات جمع کرنا تھا۔ ان سب سے مل کر تھیراواڈا صحائف وجود میں آئے

جنہیں بزرگوں کی درسگاہ کے قانون کے نام سے جانا جاتا ہے اور ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بدھ مت کی زیادہ مستند اور قدامت پر مبنی روایات ہیں۔

بعد کے ادوار میں مختلف ملکوں میں بودھ فرقوں نے مقدس کتابیں اپنے طور پر جمع کیں اور پہلے کے متون میں اضافہ کیا اس میں زیادہ تر آزاد خیال اور وسیع النظر روایات اور کہانیاں رزمیے اور نظمیں نیز عقائد پر مبنی تعلیمات شامل ہیں ان کو مہایانا صحائف یا عظیم تر ذریعہ اظہار کیا جائے گا۔

۱۔ تھیرو وڈا صحائف

بدھ مت کے متون کے اولین مکمل مجموعے ہم تک تھیراوڈا قانون (صحائف کی مسلمہ فہرست مضامین) میں پہنچے ہیں جو برما کموڈیا، لاوس شری لنکا۔ اور تھائی لینڈ کے تسلیم شدہ صحائف ہیں۔

یہ صحائف جو پالی زبان میں ہیں ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شری لنکا میں پہلی صدی قبل مسیح میں جمع کئے گئے تھے۔ اگرچہ یہ ان زبانی روایات پر مبنی ہیں جو بودھ مبلغوں کے ذریعہ دو صدی پہلے وہاں پہنچی تھی یہ روایات گوتم بدھ کی موت کے سوسال بعد تک ضبط تحریر میں نہیں آسکی تھیں اس مسلمہ مجموعہ صحائف کو تری پی ٹاکا (تین ٹوکریاں) کہا جاتا ہے کیونکہ یہ تین مختلف متون کے مجموعوں پر مشتمل ہے یہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) ونایا پٹا کا (نظم و ضبط کی ٹوکری) جس میں پانچ کتابیں ہیں اور راہبوں اور راہباؤں کی زندگیوں کے لئے تفصیلی ہدایات پر مشتمل ہیں۔

(ب) ستا پٹا کا (تقاریر اور مکالمات کی ٹوکری) جس میں بدھا کی جمع کردہ تقاریر اور مکالمات ہیں اور ساتھ ہی مختصر اقوال بھی ہیں اور اس کی ساری تعلیمات اس میں شامل ہیں۔

(ج) ابھی دھما پٹا کا (مابعد الطبیعاتی ٹوکری) جو بعد میں آنے والے علماء کی

نظریات، عقائد، اور اخلاقیات پر مبنی تحریروں پر مشتمل ہے۔

ان پتاکاؤں میں سے ہر ایک مزید الگ کتابوں میں منقسم ہے ابھی دھما پتاکا کو راہب خاص طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ستا پتا سب سے زیادہ پسندیدہ اور بہت وسیع پیمانے پر پڑھی جانے والی تھیرواڈا کے متون پر مشتمل ہے۔ اس میں دھما پدا یا نیکی کا راستہ بھی شامل ہے جو نظموں کا مجموعہ ہے اور شاید بدھ دھرم کے مقدس متون میں سب سے زیادہ جانی پہچانی کتاب ہے۔

۲۔ مہایانا صحائف

مہایانا ممالک کے اولین صحائف شمالی ہند سے آئے ہیں وہ پہلی اور آٹھویں صدی عیسوی (۱۰۰ ۔ ۸۰۰) کے درمیان سنسکرت میں لکھے گئے تھے مثلاً چینی، تبتی، نیپالی، کوریائی کی طرح اور جاپانی تاہم تھیراوڈا صحائف کی طرح یہ تین خاص شقوں میں منقسم ہیں

(الف) ونایا، مذہبی نظام کے لئے قواعد

(ب) سوتر، تقاریر اور مکالمے کم و بیش تھیراوڈا ستا پتاکا سے مشابہ

(ج) شاستر، فلسفیانہ مباحث

لیکن یہ مہایانا کتب تیزی سے ارتقا کرتی ہوئی بہت زیادہ مختلف مجموعوں میں تبدیل ہوگئیں اور اس میں زیادہ افسانے اور عوام پسند نوعیت کی تصانیف بھی شامل ہوگئیں۔ ان میں سب سے زیادہ شوق سے پڑھی جانے والی ہے للتا وستارا، ایک بہت واضح اور تفصیلی کتاب، مستقبل میں آنے والی بودھی (ستوا کا) اور سدھرما پندار یکا یا "حیرت انگیز قانون کا کنول" ہیں جو بودھی ستوا کی نمائندگی کو تقریباً قادر مطلق خدا کی نمائندگی جیسا بتاتی معلوم ہوتی ہے جو اس پوری کائنات کو کنٹرول کررہا ہے۔

و۔ خاص بودھ گروہ

۱۔ بدھ مت تھیراوڈا ممالک میں

گوتم بدھ کا نظریہ یا عقیدہ جنوبی ممالک سری لنکا برما اور تھائی لینڈ میں ایک معیار (آدرش) رہا ہے اسے تھیراوڈا (یاہنایانا) بدھ مت کہتے ہیں۔

تاہم ان ممالک نیز دیگر ممالک میں عام لوگوں میں بدھ مت کی تعلیمات دوسرے مذہبی عقائد اور اعمال کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہیں۔

۲۔ مہایانا بدھ مت

بدھا کی موت کے دو سو برس بعد اس کے جیلوں کے ایک گروہ کو بدھا کی تعلیمات کی تعبیر و ترجمانی کے معاملہ میں دوسروں سے اختلاف پیدا ہوا انہوں نے ایک ایسے نظریے اور عقیدہ کا پرچار کیا جو کم متشددانہ اور عام لوگوں کی ضروریات سے زیادہ مطابقت رکھنے والا تھا یہ سہولت پسندانہ تحریک شاید بدھ مت کی ایک نئی شکل کی ابتدائی صورت تھی جو پہلی صدی عیسوی میں پھلی پھولی اور پختگی کو پہنچی جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ بدھ مت کی اس شکل کا نام مہایانا یا عظیم تر ذریعہ اظہار و بیان پڑگیا۔ یہ ایشیا کے شمال ممالک چین کوریا اور جاپان کا مذہب ہے۔

مہایانیوں نے تعلیم دی کہ عقیدہ و ایمان اور دینداری ہی کسی شخص کے بدھ مت کا پیرو ہونے اور اعلیٰ ترین روحانی مقاصد کے حصول کے لئے کافی ہیں۔ سخت قسم کی ریاضتیں اور علمی مہمات سر کرنا مطلقاً ضروری نہیں اس طرح شمالی ممالک میں صرف عقیدہ اور ایمان کے ذریعہ نجات مہایانا بدھ مت کی تعلیمات کے ایک خاص شق تھے۔

تھیراوڈا بدھ مت میں مقصد یہ قرار دیا گیا تھا کہ ہر شخص کو نروان حاصل کرنا

چاہئے لیکن مہایانا بدھ مت کو ماننے والا ایک درد مند دل و الا انسان ہوتا ہے جو یہ عہد کرتا ہے کہ وہ خود اعلیٰ ترین اور مکمل تابانی اس لئے حاصل کرے گا کہ سارے دوسرے انسانوں کی جن تک اس کی رسائی ممکن ہو نجات حاصل کرنے میں مدد کرسکے وہ نروان کے حصول کو اس لئے ملتوی رکھتا ہے کہ اپنی خوبی ان لوگوں کی طرف منتقل کردے جو دعاؤں میں اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں ایک بدھی ستوا خود کو دوسروں کی خدمت کے لئے وقف کردیتا ہے اور ان کی خاطر کوئی بھی تکلیف برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے بہت زیادہ محنت کرکے اور تکلیفیں اٹھا کر وہ درجہ کمال کو پہنچتا ہے جو اسے بدھا بن جانے کی صلاحیت عطا کرتا ہے اور اس مقام (پوزیشن) کو حاصل کرنے کے بعد وہ دوسروں کو حیرت انگیز برکات عطا کرتا ہے مہایانی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص بدھی ستوا بن سکتا ہے اور اس طرح بدھا کا مقام حاصل کرسکتا ہے۔

مہایانا ممالک میں بدھ مت کے پیرو بہت سے ان مخصوص اور عظیم بدھی ستواؤں اور بدھاؤں پر ایمان رکھتے ہیں جو اپنی حاصل کردہ خوبی دوسروں میں منتقل کرکے انہیں بچا سکتے ہیں یہ وہ بدھا نہیں ہیں جو در حقیقت اپنا کوئی وجود رکھتے تھے اور وہ بعض پہلوؤں سے صرف ایک ہی بدھا حقیقت کے مظاہر ہیں جن کا گوتم بدھ خود ایک مظہر تھا ان عظیم بدھاؤں کے بارے میں لوگوں کا ایمان ہے کہ وہ مختلف جنتوں میں دیوتاؤں اور ولیوں کے گروہوں میں تخت نشین ہیں جاپان میں دیرو کانا عظیم بدھا ہے لیکن چین میں امیتابھ بدھا زیادہ سربلند ہے امیتابھ بدھا کا مفہوم ہے لامحدود نور والا بدھا بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ کبھی ایک بودھ راہب تھا جس نے اپنے لئے بدھا بننے کے اعزاز کو اس وقت تک کے لئے مسترد کردیا جب تک کہ اسے اپنی حاصل کردہ خوبی دوسروں کو منتقل کرنے نہ دی جائے اگرچہ امیتابھ گوتم بدھ کی طرح کوئی واقعی تاریخی شخصیت نہ تھا مگر اسے ایک بہت جلیل القدر شفیع یا نجات دہندہ تسلیم کیا جاتا ہے اس کی خاص خوبی اور نیکی رحم دلی اور محبت ہے اور اس کے بارے میں لوگوں کو یقین ہے کہ وہ ایک جنت میں رہتا ہے جسے "عظیم مغربی فردوس" یا پاک سرزمین کہا جاتا ہے

سارے ہی اچھے بودھ وہ راہب ہوں یا نیم راہب اس جنت میں جانے کی توقع کر سکتے ہیں قدیم کتب میں سے ایک میں اس جنت کو ایسی جگہ سے تعبیر کیا گیا ہے جو روشنی کی ضیابار کرنوں اور بے بہا درخشاں جواہر سے گھری ہوئی ہے ہر سمت میں ہوا ہم آہنگ نغموں سے گونجتی ہے آسمان بھی روشنی سے منور ہے جنت کے بڑے بڑے پرند ادھر ادھر محو پرواز ہیں بعض وجود وہاں ایسے بھی ہیں جو بدھا کی تعریف کے گن گا رہے ہیں جبکہ بعض دوسرے بڑی متانت سے مراقبہ میں مصروف ہیں امیتابھ بدھا۔ تزک و احتشام کے پورے اہتمام کے ساتھ اپنے ولیوں میں گھرا ہوا۔ سونے کے ایک پہاڑ کی طرح ایک کنول والی نشست پر بیٹھا ہوا ہے۔

اس جنت میں داخل ہونے کے لئے صرف امیتابھا بدھا پر ایمان ضروری ہے یا صرف اس کا نام جپنے کا عمل بھی اس کے لئے کافی ہوسکتا ہے ایمان کا مطلب ہے کہ اپنے خود مکتفی ہونے اور اپنی ذات پر اعتماد کو ترک کر کے امیتابھا کے فضل و کرم پر اعتماد کیا جائے مہایانا عقیدہ اس ایمان کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے۔

میں اس پر ارفع ترین وجود کی حیثیت سے ایمان رکھتا ہوں۔ انسانوں کی مصیبت اور ان کے دکھوں کے باعث امیتابھا بدھا مجسم ہو کر انسانوں کو بچانے کے لئے زمین پر آیا اور تکلیف اور دکھ اٹھا کر انسانوں کے لئے اس کی محبت کی بارش میرے اور دنیا کے لئے (نجات کی) امید ہوسکتی ہے اس نے انسانوں کی شکل اختیار کی تاکہ وہ انسانیت کا نجات دہندہ بن سکے اور اس کے سوا کوئی اس معاملہ میں مدد گار ثابت نہیں ہوسکتا وہ ہمہ وقت سب پر نظر رکھتا ہے جو اس کی اعانت پر اعتماد کرتے ہیں وہ ان کی مدد کرتا ہے۔

مہایانا بدھ مت میں سب کے لئے امید کا سامان ہے اور شمالی ایشیا کے باشندوں پر اس کا بہت گہرا اثر ہے۔ دعا تقدیس اور عبادت مہایانا دینداری اور ریاضت میں سب سے زیادہ قوی عنصر ہے۔ مہایانی گوتم کا احترام ایک عظیم معلم اور رہنما کی حیثیت سے کرتے ہیں لیکن وہ امیتابھا اور دوسری بدھاؤں کی پوجا مہربان نجات دہندوں کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ ایک دیوی جس کا نام کوان ین ہے رحمدلی اور

محبت کے تصور کو شخصی شکل عطا کرتی ہے وہ رحم دلی کی دیوی ہے جو ایمان لانے والوں کی رہنمائی ارض موعود (بدھا جنت) کی طرف کرتی ہے کبھی کبھی اسے عیسائیوں کے کیتھ لک (قدامت پسند) فرقے کے دیوی میڈونا سے تشبیہ دی جاتی ہے مہایانا اس کی پوجا اور عزت و احترام امیتابھا کے برابر کرنے لگے ہیں۔ مہایاناوں کی خانقاہوں اور گرجا گھروں میں اس دیوی کے مجسمے رکھے جاتے ہیں۔

۳۔ زین بدھ مت

جبکہ بدھ مت شمالی ممالک کی طرف وسیع ہورہا تھا تو وہ بہت سے فرقوں میں تقسیم ہوگیا ان فرقوں میں سے ایک زین بدھ مت بھی ہے جو چین میں شروع ہوا اور جاپان جا کر پھیل گیا۔ زین بدھ مت جاپان کے باہر بھی بہت سے ملکوں پر اثر انداز ہوا اور بدھ مت کی یہ شکل مغرب میں کسی دوسرے ملک سے زیادہ معروف ہے

ایک مذہبی روایت کے مطابق گوتم بدھ کا ایک چیلا ایک سنہرے پھول کا تحفہ لے کر اس کے پاس آیا اور اس سے اپنی تعلیمات کے راز سربستہ کو بیان کرنے کی درخواست کی گوتم نے وہ پھول اس سے لے لیا۔ اسے اونچا اٹھائے رکھا اور مرتکز توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس پر نظریں جمائے رہا۔ اپنے اس فعل سے اس نے یہ بات واضح کی کہ اس کی تعلیم کا راز الفاظ میں نہیں بلکہ خود پھول پر غور کرنے کے عمل میں پوشیدہ ہے زین عقیدہ کے بارے میں لوگوں کا ایمان ہے کہ وہ اس مخفی عمل سے ظہور میں آیا ہے اور جاپانی زبان میں لفظ زین " کا مفہوم ہے غور و فکر، زین کا مقصود منتہا ہے بصیرت یا روشنی اسی طرح کی بصیرت اور روشنی جیسی گوتم بدھ کو گیان ورکش کے نیچے حاصل ہوئی تھیں زین یہ سبق دیتا ہے کہ لوگ غور فکر اور گیان دھیان سے روشنی پاسکتے ہیں۔

۴۔ تھائی لینڈ میں جدید بودھ تحریکیں

(الف) مراقبہ کے عمل کا احیاء

بیسویں صدی کی پانچویں دہائی کے آخری حصہ میں تھائی لینڈ میں مراقبہ کے احیاء کے لئے ایک تحریک شروع ہوئی اور ۱۹۷۰ تک پورے ملک میں سیکڑوں مراقبی مراکز وجود میں آگئے ۔ مراقبے دو مختلف انداز کے ہوتے ہیں ۔ پہلا مراقبہ بغرض ارتکاز، جس کا مطلب ہوتا ہے کامل سکون اور دوسرا مراقبہ بغرض حصول بصیرت ہوتا ہے اور اس کا منتہائے مقصود نروان (نجات) ہے ۔

راہب اور غیر راہب دونوں ان مراقبی مراکز سے استفادہ کرتے ہیں جو بیشتر مندروں کے احاطوں کے اندر ہوتے ہیں ۔ مراقبہ کے معلم و مربی، جن میں سے بعض خاصے مشہور ہیں، ان مراکز میں مراقبہ کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں ۔ بعض لوگ یہ تعلیم (اپنا دن کا کام ختم کرلینے کے بعد) شام کے وقت حاصل کرلیتے ہیں جس کے سہارے وہ زندگی کے مشکل کاموں کا تخلیقی انداز سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں ۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مراقبہ بدھ مت کے اعمال کا حقیقی مرکز ہے ۔

(ب) تعلیم و تربیت

گذشتہ ساٹھ سال سے راہبوں کے لئے تعلیم کا دوازدہ سالہ نصاب بڑی حد تک غیر متغیر رہا ہے ۔ وہ بڑی حد تک بدھا اور اس کے چیلوں کی زندگی کے مطالعات، خانقاہی نظم و ضبط، اخلاقیات اور ضرب الامثال صحائف اور ان کی تعبیرات اور وہ پالی زبان جس میں وہ صحیفے اور ان کی تفسیریں لکھی گئی ہیں، پر مشتمل ہوتا ہے ۔ بہت سے منتر حفظ کر لئے جاتے ہیں ۔ یہ کورسوں کے پروگرام اب غیر راہبوں اور نیم راہبوں کے لئے بھی منعقد کئے جاتے ہیں ۔

جدید دور کی تعلیم کا ارتقاء اور باہر سے آنے والی فکر کے ہجوم کے باعث راہبوں کے نصاب میں، اب سب کے لئے دنیاوی (سیکولر) مضامین کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ ہائی اسکول کی سطح پر، اور بودھوں کے لئے دو یونیورسٹیوں میں بھی ہے۔

ز۔ عبادت کے طریقے

بودھوں کا معیاری طریقہ یہ ہے کہ اپنی کوششوں سے، بغیر کسی مافوق الفطری نجات دہندہ کی اعانت کے، خود ہی نجات حاصل کی جائے۔ ذاتی برتاؤ کی طرف توجہ اور صحیح انداز فکر بودھوں کی زندگی میں اولیں مقام پاتے ہیں۔ یہ بدھ مت کی خانقاہوں کے بیان میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

لیکن مہایانا اور تھیرا وڈا دونوں ممالک میں لوگ بدھاؤں کی معاونت پر اعتماد کرتے ہیں اور مندروں میں ان کی توقیر کی جاتی ہے۔ تحائف، بدھا اور اس کے راہبوں کو پیش کئے جاتے ہیں تھیرواڈا ممالک عام بدھ بدھا کو انسان سے بلند تر نہیں شمار کرتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ بدھا دیوتی دیو! یا "خدا بالائے خدا" ہے۔ جو زندہ ہے، جانتا ہے اور محبت کرتا ہے اور ساری تعریفوں اور عزت و احترام کا مستحق ہے۔ اس طرح بودھ اپنی تعلیمات کو دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب بنا کر پیش کرتے ہیں۔ بدھا کی عبادت میں وہ زندگی کے سربستہ راز پر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس میں انہیں وہ (ذات) یا (شخص) مقتدر نظر آتا ہے جس پر وہ اعتماد کرسکتے ہیں۔

سختی سے اپنے عقیدہ پر قائم (تقلید پسند) بدھ مت پیرو چاہے وہ بدھا کو دنیا کے ہر دور کا عظیم ترین انسان اور انسانوں اور دیوتاؤں کا سب سے زیادہ بصیرت کا مالک استاد تصور کرے۔ تاہم وہ ساتھ ہی اسے انسان بھی جانتا ہے جو کبھی زندہ تھا اور اب نہیں ہے۔

۱۔ تعوذ کے کلمات

بدھ مت کی عبادت کا ہر عمل، بدھا کے لئے اظہار عقیدت کے تعریفی کلمات کی خواندگی یا نغمہ سرائی سے شروع ہوتا ہے:

تعریف اسی کے لئے ہے، بابرکت ذات، اعلی و افضل، پوری طرح باخبر ذات، اس کے فورا بعد تین تعوذ (پناہ طلب کرنے والے کلمات) ادا کئے جاتے ہیں:

میں بدھا کی ذات کی طرف پناہ کے لئے رجوع کرتا ہوں، میں عقیدہ کی طرف اپنی پناہ گاہ کے طور پر رجوع کرتا ہوں، میں راہبوں کی برادری سے نباہ کے لئے رجوع کرتا ہوں۔ اس کے فورا بعد پانچ احکامات کہے جاتے ہیں۔ یہ فرامین و احکام وہ کم سے کم ہیں جن کی پابندی کی ایک بدھ سے توقع کی جاتی ہے فی الواقع وہ احکامات نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کے عزم کو ظاہر کرنے والے کلمات ہیں، عبادت گزاران مقولوں کو خود اپنے طور پر ادا کرسکتا ہے یا وہ اس کام میں راہب سے اعانت طلب کرسکتا ہے۔ دوسری صورت میں راہب کے ان کلمات کی ادائیگی کے ساتھ خود ان کو دہراتا ہے۔ یہ اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میں جان کے ضیاع سے پرہیز کرنے کی پابندی کا عہد کرتا ہوں۔

۲۔ میں اس قول کی پابندی کا عہد کرتا ہوں کہ وہ چیزیں نہ لوں جو مجھے دی نہیں گئی ہیں۔

۳۔ میں جنسی بے راہ روی سے محترز رہنے کے قول کی پابندی کا عہد کرتا ہوں

۴۔ میں غلط بیانی سے پرہیز والے قول کی پابندی کرنے کا عہد کرتا ہوں۔

۵۔ میں کشید کی ہوئی اور خمیر اٹھائی ہوئی اشیاء سے حاصل کردہ شرابوں سے پرہیز کرنے کی عہد کرتا ہوں۔

۲۔ نذریں گزارنا

عبادت گزار عبادت کی ہر جگہ پر نذریں پیش کرتے ہیں۔ یہ مختلف قسم کی ہوتی

ہیں ، پھول ، تیل سے روشن ہونے والے لیمپ (چراغ) موم بتیاں ، جلانے والی خوشبوئیں ،کھانا مشروبات اور راہبوں کی ضرورت کی اشیاء۔

جب کوئی عبادت گزار پھولوں کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو وہ زندگی کی ناپائداری پر غور کرتے ہوئے مندرجہ ذیل کلمات اداکرسکتا ہے : " میں پھولوں کا ہر گلدستہ تازہ رنگ و بو والا منتخب عالی مقام عارف کے مقدس کنول سے مشابہ قدموں میں پیش کرتا ہوں ۔ میں بدھا کی تعریف پھولوں سے کرتا ہوں اور اس کار خیر کے ذریعہ ہوسکتا ہے کہ میری نجات ہوجائے یا میں نروان حاصل کرلوں ۔ جس طرح یہ پھول کھلانے والے ہیں اسی طرح جسم تباہی موت کی طرف رواں دواں ہے "جب عبادت گزار تیل سے روشن ہونے والا لیمپ (چراغ) یا موم بتیاں پیش کرے تو وہ کہتا ہے " میں یہ تیزی سے روشن ہونے والی روشنی کی اشیاء تاریکی کو دور کرنے کے لئے ذات بصیر کو پیش کرتا ہوں جو تینوں دنیاؤں کانور ہے جس نے جہل کی تاریکی کو دور کردیا ہے ،روشنیوں کی نذر کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ نیکیوں اور خوبیوں کا بہت بڑا خزانہ ساتھ لاتی ہیں جو مدت دراز تک ختم ہونے میں نہیں آتا۔

جب نذر گزارنے والا کھانے کی نذر پیش کرتا ہے تو وہ کہتا ہے :

"اے آقا اس اعلی درجہ کے کھانے کو ہم نے تیرے لئے تیار کیا ہے ۔اپنے کرم و مہربانی سے اسے قبول فرما ۔ ہم پر رحم کرتے ہوئے اسے قبول فرما ۔ میں یہ نذر کا کھانا مالک و آقا کو گہری عقیدت و احترام کے ساتھ پیش کرتا ہوں کاش ایسا ہو کہ یہ کھانے کے نذرانے کی پیش کش میرے گناہوں کو مٹا ڈالے اور مجھے نروان کے حصول کے قابل بنادے ۔ " اسی طرح کی دعائیں دوسری نذروں کے ساتھ بھی کی جاتی ہیں۔

۳ ۔ دعائیں

عبادت گزار اور انسانی ضروریات کے لئے دعائیں کرتے اور امداد کے طالب

ہوتے ہیں ۔ مندرجہ ذیل دعا سری لنکا میں بہت مشہور ہے " کاش ایسا ہو کہ مناسب وقت (موسم) پر بارش ہو اور فصلیں بافراط پیدا ہوں ۔ کاش ایسا ہو کہ بادشاہ نیکو کار ہوں اور ملک خوشحال ہو جائے ۔"

اسی طرح کی ایک دعا تھائی لینڈ میں بھی ہے جو بدھا کی خوبیوں کے گن گانے سے شروع ہوتی اور اس سے برکات طلب کرتے ہوئے ختم ہوتی ہے ۔ اس طویل دعا کے اولین اور آخری کلمات یہ ہیں :

" میں (عاجزانہ) سر جھکا کر اپنے آقا بدھا کی پرستش کرتا ہوں جو دس قوتوں کا مالک ہے ، جس کی حکمت و دانائی لامحدود ہے جو مخلوقات میں سب سے زیادہ سربلند ہے ، جو ازرہ ترحم مدد کرتا ہے ، جو عبادت قبول کرتا ہے جو خواہش نفس اور دوسری کسی خواہش سے مبرا ہے .... میری عبادت کی خیرو خوبی اور اجرو ثواب عالم کے پناہ دینے والے نے بحفاظت جمع کر رکھے ہیں ۔ جو بے اندازہ حکمت کا مالک ہے ۔ کاش ایسا ہو کہ ساری بیماریاں اور بدنصیبیاں فنا ہو جائیں اور کثرت سے بارش لانے والے بادل بارش کردیں ۔"

معافی طلب کرنے کے لئے کی جانے والی دعا بہت اہم ہے ۔ سری لنکا میں عبادت گزار سہ گونہ جوہر (بدھا ، عقیدہ اور راہبوں کی برادری) سے معافی مانگتا ہے ، ہر اس گناہ کے لئے جو فکری طور پر (ذہناً) لفظاً (زبان سے) یا عمل کی شکل میں سرزد ہوا ہو۔

" اے میرے آقا میرے گناہوں کو معاف فرما دے جو مجھ سے تیری نافرمانی کرتے ہوئے سرزد ہوئے ہیں چاہے وہ خیال میں ہوں یا لفظاً اور عملاً ہوئے ہوں ۔ میں اس بات کا عزم اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی گناہ نہ کروں گا " اسی طرح عقیدہ اور راہبوں کی برادری سے بھی معافی طلب کی جاتی ہے

برمی بھی اسی طرح کی مگر زیادہ تفصیلی دعا کرتے ہیں ۔ لوگوں کو یہ اتنی پسند آگئی ہے کہ اسے بودھوں کی مشترک دعا کہا جانے لگا ہے ۔ یہ اس طرح ہے :

" میں اجازت چاہتا ہوں ، میں اجازت چاہتا ہوں ، میں اجازت طلب کرتا ہوں ، اس غرض سے کہ کوئی خطا جو مجھ سے ہوئی ہو ، عمل سے ، قول سے یا فکر سے ، وہ محو

ہوجائے ۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر انہیں اپنی پیشانی تک بلند کرتا ہوں اور تینوں جو ہروں ، بدھا ، قانون اور برادری کی عبادت و احترام کرتا ہوں ، نظر ڈالتا ہوں اور ان کے سامنے عاجزانہ اظہار عقیدت کرتا ہوں ، ایک بار ، دو بار اور تین بار اے آقا ۔

" اور اس عاجزانہ جھکاؤ (سجدہ) کے نیکو کار عمل کی بدولت ، کاش ایسا ہو کہ میں ہمہ وقت غم کی چار حالتوں ، تین تازیانوں (سزاؤں) ، آٹھ غلط قسم کے حالات ، پانچ دشمنوں ، چار کوتاہیوں ، پانچ بد نصیبیوں سے بچا رہوں اور جلدی سے مجھے مطلوبہ راہ میسر آجائے ، اپنی کوشش کا ثمر پاؤں اور نروان کے اعلیٰ قانون سے فیضیاب ہوسکوں ۔ اے آقا ! "

۴ ۔ ایصال ثواب

اکثر عبادت گزار اپنے اعزہ رفتگاں کے نام سے نذرانے پیش کرتے ہیں ، لباس کی شکل میں تحفے ، ظروف ، دوائیں اور راہبوں کے لئے کھانے پیش کئے جاتے ہیں ان نذرانوں سے حاصل ہونے والا ثواب مردوں ، دیوتاؤں اور دوسری ہستیوں کو منتقل ہوجاتا ہے ۔ ایسا ثواب کا کام کرنے پر عبادت گزار کہتا ہے :

" اس کار ثواب سے ، کاش ، ایسا ہو کہ ہمارے محبوب مردے مستفید ہوسکیں ۔ کاش وہ مسرت سے ہمکنار ہوسکیں ، جیسے کہ بارش سے فیضیاب ہوکر بھر جانے والے دریا اپنا پانی سمندر میں انڈیل دیتے ہیں اور وہ بھر جاتا ہے ، اسی طرح میری اس نذر کا ثواب ہمارے مردہ اعزہ کو منتقل ہوجائے ۔ "

تھائی لینڈ میں مستعمل دعائیہ کلمات اس طرح ہیں :

" کاش ایسا ہو کہ پیش کردہ یہ تحفے (نذرانے) میرے اعزہ کے حساب میں منتقل کردیئے جائیں ، میری ماں ، میرے باپ کو خاص طور پر کاش میرے سارے اعزہ و اقارب ، خصوصاً میری ماں اور میرے باپ ، میری اس دین (پیش کش) سے میری خواہش کے مطابق حصہ پائیں ۔ "

برما میں دعائیہ کلمات یہ ہیں :

"میں اپنے اس (نیک) عمل کے ثواب میں اپنے والدین، احباب اور اعزہ اور ارواح اور ساری زندہ ہستیوں کو شریک کرتا ہوں۔ کاش ایسا ہو کہ زمین اس فعل کی گواہی دے۔"

۵۔ زیارتیں

کسی مقدس مقام کی زیارت کے لئے جانا کار ثواب سمجھا جاتا ہے اور کوئی شخص جتنے زیادہ مقامات کی زیارت کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کا ثواب سمجھا جاتا ہے اس لئے ہر بودھ کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ جگہوں کی زیارت کرسکے اور زائد بار کرسکے۔ بدھا نے خود اعلان کیا تھا کہ "چار جگہیں ایسی ہیں جنہیں آدمی کو جذبہ کے ساتھ دیکھنا چاہیئے: بدھا کی جائے پیدائش، اس کے حصول معرفت (گیان) کا مقام وہ مقام جہاں اس نے پہلی بار تبلیغ کی اور دھرم کے چکر کو حرکت میں لایا، اور وہ مقام جہاں وہ نروان حاصل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ان مقامات کی زیارت کی غرض سے اس لئے جانا چاہیئے کہ جو کوئی ایسی زیارت گاہوں کے لئے سفر کرتا ہے وہ اطمینان قلب سے مرجائے تو اس کے (مردہ) جسم کے شکستہ ہوجانے کے بعد، وہ موت کی دست برد سے دور، بابرکت جنتی دنیا میں دوبارہ پیدا ہوگا"۔ بدھا کے ان الفاظ نے صدیوں کے دوران لاکھوں کروڑوں زائرین، راہبوں، راہباؤں اور غیر راہب عقیدتمندوں کو بدھ دنیا کے دور دراز مقامات سے، سارے خطرات انگیز کر کے، طویل سفروں پر ابھارا کہ وہ ان مقامات پر عبادت کریں جہاں بدھا پیدا ہوا تھا، یہ خصوصی ثواب کا باعث سمجھا جاتا تھا کہ یہ سارے فیصلے پیدل چل کر طے کئے جائیں چاہے اس میں کچھ تکلیف کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

مقدس مقامات تھیراوڈا ممالک میں بھی ہیں جن کی زیارت کے لئے ہزاروں لوگ سفر کر کے جاتے ہیں۔ سری لنکا میں ایک سب سے زیادہ پسندیدہ (ہر دل عزیز) مقام ایک ۷۵۰۰ فیٹ بلند پہاڑ ہے اس پہاڑ کا نام سری پدا ہے جس کے معنے ہیں مقدس

نقش قدم۔ اسے آدم کی چوٹی (کوہ آدم) بھی کہا جاتا ہے یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں بودھ ہندو، عیسائی اور مسلمان زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ زیارت کے موسم میں ہزاروں انسان اس مقدس پہاڑ کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی نذریں پیش کرنے کے لئے اپنے ساتھ لئے اور اس طرح اپنی عقید تمندانہ رسوم پوری کرلیتے ہیں۔
ایک مذہبی روایت کے مطابق بدھا نے اپنے بائیں پائوں کا نقش کوہ آدم کی چوٹی پر چھوڑا تھا اور پھر ایک ہی قدم رکھ کر تھائی لینڈ پہنچ گیا تھا جہاں اس نے فراباد میں اپنے پیر کا نشان ایک چٹان پر چھوڑا۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جو ہزاروں زائرین کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

۶۔ رسوم اور تہوار

بدھ مذہب کی رسوم اور اس کے تیوہارات بہت سے ہیں۔ اہم تین رسوم میں سے ایک رسم وہ ہے جسے پیریت (پی ریت) کہاجاتا ہے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مقام بدھا کا پسندیدہ ہے۔ بھوتوں یا بدروحوں کے بغض عناد سے بچنے کے لئے، نیز برکتیں حاصل کرنے کے لئے۔

پیریت رسم میں بودھ راہب ایک لمبی ڈوری کے ایک سرے کو تھام لیتے ہیں اور وہاں جمع ہونے والا فرش پر بیٹھا مجمع دوسرے سرے کو تھامتا ہے ڈوری کے درمیانی سرے کو ایک مٹی کے برتن کی گردن سے باندھ دیا جاتا ہے۔

راہب بودھ صحائف سے منتخب منتر گاتے ہیں۔ اسے پرتاس کہتے ہیں۔ جب منتروں کا گانا اختتام کو پہنچتا ہے تو ڈوری کو توڑ کر ٹکڑوں میں بانٹ دیا جاتا ہے اور یہ ٹکڑے مجمع کے ہاتھوں اور گردنوں میں لپیٹ دیے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ برتن کا وہ تقدیس اور برکت والا پانی لوگوں پر چھڑک دیا جاتا ہے۔

"ساری آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لئے، ساری عظیم برکات کے نزول کے لئے، سارے دکھوں کو ختم کردینے کے لئے، ہر طرح کے خوف اور بیماری اور

درماندگی کے خاتم کے لئے پرتاس کی نغمہ خوانی کرو "۔

پیریت کی رسم کے موقع پر راہب، مندروں میں، گھروں میں یا اس موقعہ کے لئے عارضی تعمیر کردہ ہالوں اور پیولینوں میں منتر گاتے ہیں۔ یہ نغمہ خوانی کا وقت موقع کے لحاظ سے ایک گھنٹہ، ایک دن ایک ہفتہ یا اس سے بھی طویل ہوسکتا ہے۔ بدی بیماری اور مصیبت کے خلاف تحفظ ہونے کے علاوہ یہ رسم دوسرے مواقع پر بھی ادا کی جاتی ہے جیسے کہ نئے گھر کا افتتاح، کسی سفر کے لئے روانگی یا کسی نئے کاروبار کی ابتداء۔

بودھ ساری دنیا میں ایک تہوار مناتے ہیں جسے "ویساک" کہا جاتا ہے، ویساک قمری تقویم کے ایک مہینہ کا نام ہے جو مئی کے قریب پڑتا ہے۔ اس مقدس دن کی سہ گونہ اہمیت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بدھا مئی کے مہینہ میں چاند کی چودھویں کو پیدا ہوا تھا، اسی دن گیان حاصل کیا تھا اور اسی دن اس نے وفات پائی تھی۔

بودھ ویساک کو بہت بڑے پیمانے پر مناتے ہیں جس میں بڑی چہل پہل اور رونق رہتی ہے۔ وہ اس موقع پر مندروں، گھروں، گلیوں اور سڑکوں پر چراغاں کرتے ہیں اور تعلیم اور روحانی اور اخلاقی سربلندی کے لئے خصوصی عبادتیں اور دعائیہ رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ اس متبرک دن سفید لباس میں ملبوس بودھ عقیدت مند، مرد عورتیں اور بچے مندروں (اور اس غرض کے لئے مخصوص کردہ ہالوں میں بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ وہ اپنی مذہبی رسوم اسٹوپا، بودھی ورکش (شجر معرفت)، بدھا کی شبیہ کے پاس ادا کرتے ہیں اور احکام کی پابندی کی غرض سے زمین پر دو زانو بیٹھتے ہیں، مراقبہ کرتے ہیں اور بودھ تعلیمات کو سنتے ہیں۔

اس مقدس ترین دن، مخصوص طور پر بودھ عقیدت مند، محبت بھرے اور لطف و عنایت سے لبریز خیالات (پیغامات) ساری زندہ ہستیوں اور مردوں کو بھیجتے ہیں، اور محبت بھری لطف و عنایت سے بدھا کی تقریر کو ذہن میں لاتے ہیں۔ اپنے دلوں میں ساری زندہ مخلوقات کے لئے بے حد و حساب خیر طلبی کی جذبات پرورش کرتے ہیں۔ بودھ نہ صرف اپنے عزیز و اقارب لوگوں کو محبت بھرے پیغام بھیجتے ہیں بلکہ ان کے یہ پیغامات ان کے دشمنوں، ساری زندہ مخلوقات، حیوانوں، کیڑے مکوڑوں اور دوسری

دنیاؤں میں رہنے والوں تک وسیع ہوتے ہیں۔ اس کے لئے ہر ایک عقیدتمند پہلے اپنے دل میں محبت اور لطف و عنایت کے جذبات ابھارے، پھر انھیں اپنے خاندان والوں کی طرف منتقل کرے، پھر دوستوں اور رشتہ داروں کو اور اسی طرح اگے درجہ بدرجہ وسیع ہوتے ہوئے حلقوں میں، یہاں تک کہ وہ ساری دنیا میں ان محبت بھرے روشن خیالات سے دنیا بھر میں نفوذ کرجائے۔ اس طرح ایک مسرور قلب اور امن و آشتی سے لبریز ذہن اور ایک بے حد و حساب وسیع قلب، ترحم، مفاہمت، ترس اور نیک خواہشات ساری مخلوقات کے لئے اس متبرک ہستی کے پیرو کو اعلی درجہ کی اس "ہشتگانہ راہ" پر چلنے کی قوت حاصل ہوگی جو دکھوں اور تکلیفوں کے خاتمہ اور نروان (نجات) کے حصول کی طرف لیجانے والی ہے۔ ناقابل بیان مسرت کی منزل۔

ح۔ مروجہ بدھ مت

بودھ ملکوں میں عام لوگوں کا مذہب، بودھ تعلیمات اور دوسرے مذاہب کے عقائد و اعمال کا ایک ملغوبہ ہے۔ ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں کہ جاپان میں یہ کس طرح شنٹومت کے ساتھ مخلوط ہوگیا تھا اور چین میں تاؤمت کے ساتھ اور کوریا کے بودھ اکثر شمانوں کے دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ بودھ مندروں میں دوسرے مذاہب میں پوجی جانے والی مورتیاں مل سکتی ہیں۔

تاہم بودھ مندروں میں تین مقاصد پیش نظر رہتے ہیں جن کا خصوصی تعلق پوجا سے ہے:

۱۔ تبرکات کی پرستش

گوتم بدھ کے مرنے کے بعد، اس کے ارضی باقیات جیسے اس کے دانت، سر کے بال اور اس کی ہنسلی کی ہڈی کو بڑی احتیاط سے محفوظ کرلیا گیا تھا۔ وہ باحتیاط تمام مینار نما زیارت گاہوں میں رکھی ہوئی ہیں اور جو ساری بودھ دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ انھیں

اسٹوپا کہتے ہیں (لفظی معنے ٹیلہ یا مٹی کا تودہ) یا پیگوڈا۔ ایشیا بھر میں منتشر یہ اسٹوپا لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں ان سب میں بدھا کے تبرکات نہیں پائے جاتے۔ بعض میں بدھا کے چیلوں کے تبرکات ہوتے ہیں یا ان لوگوں کے جو قابل احترام ہیں، اور کچھ دوسری چیزیں جو بدھا کی یاد دلاتی ہیں جیسے مورتیاں، مقدس تحریریں اور دعائیں۔

جب کوئی عقیدت مند مندر میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے اسٹوپا کی پوجا کرتا ہے، مراقبہ میں محو، وہ اس کے گرد تین چکر لگاتا ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ پوجا کی جانے والی شے یعنی اسٹوپا ہمیشہ اس کی داہنی جانب رہے۔ اس کے بعد وہ پوجا میں مصروف ہوجاتا ہے اس حال میں کہ وہ سجدہ ریز ہو یا گھٹنے زمین پر ٹیکے ہوئے، دو زانوں بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے جبکہ دونوں ہاتھوں نے مل کر ایک پیالے کی شکل اختیار کرلی ہو۔ اسٹوپا کی پوجا کے بارے میں لوگوں کا ایمان ہے کہ اس سے بڑا ثواب ملتا ہے۔ بدھا کے تبرکات کو اسٹوپا کے وسطی حصہ میں رکھ کر اگتے ہوئے بیجوں کی شکل میں جمادیا جاتا ہے۔ عبادت گزاروں کا ایمان ہے کہ یہ عمارت پر زندہ ہستیوں جیسا اثر ڈالتے اور ہر دور کے اور سارے انسانوں کے لئے بدھا کی روحانی قوت کو زندہ اور پائندہ رکھتے ہیں۔

ہر مندر میں ایک اسٹوپا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض بہت غیر معمولی بڑی جسامت کے ہوتے ہیں۔

ان بہت بڑے اسٹوپاؤں میں سری لنکا میں پایا جانے اولا ایک اسٹوپا ابھایاگیری داگا با، جب پہلی بار بنایا گیا ہے تو اس کا قطر ۳۲۲ فیٹ اور بلندی ۴۰۵ فیٹ تھی، مصر کے بلند ترین اہرام سے صرف ۵۰ فیٹ پست اور لندن کے سینٹ پال کیتھیڈرل (گرجا) کے گنبد سے ۱۵ فیٹ زیادہ بلند۔ سب سے زیادہ معروف و مشہور اسٹوپاؤں میں ایک شوی ڈاگون پیگوڈا ہے۔ رنگون میں ایک پہاڑی چوٹی پر تعمیر کردہ یہ ایک مرکزی مینار ہے اور اس کے گرد مخروطی مینار نما زیارت گاہیں ہیں اور ان پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ عام طور پر دیکھنے کے لائق دلچسپ منظر ہوتا ہے کہ غیر راہب شوی ڈاگون پیگوڈا کے فرش پر جھاڑو لگا رہے ہوں یا پیگوڈا کے وسطی مینار پر اپنے ساتھ

لائے ہوئے سونے کے پتر چڑھا رہے ہوں۔ یہ دوسرا عمل (مینار پر سونا چڑھانا) ایک بہت زیادہ ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے اور اسے صرف مرد ہی انجام دے سکتے ہیں۔ عورتیں، صرف سونے کا پتر خرید کر اور اجرت پر مردوں کی خدمات حاصل کر کے۔ اسے گنبد پر چڑھوا سکتی ہیں۔

اسٹوپا کی تعمیر یا اس کی تعمیر میں تعاون او اشتراک ایک بڑے ثواب کا کام ہے اور تھیراوڈا ممالک میں قدیم زمانہ کے راجاؤں نے اسٹوپا تعمیر کرانے اور حصول ثواب کے لئے غیر معمولی طور پر کثیر دولت خرچ کی تھی۔

۲۔ بودھ ورکش (شجر معرفت) کی پرستش کا رواج

ہر خانقاہ (سمادھی آشرم) میں ایک شجر معرفت ہوتا ہے۔ عبادت گزار (پجاری) اس مقدس درخت کے ساتھ بڑے احترام کا معاملہ کرتے ہیں کیونکہ بدھا نے ایک ایسے ہی درخت کے نیچے گیان حاصل کیا تھا اور اس کے بعد خود اس کو پوجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے درخت کے سامنے ایک ہفتہ کھڑے رہ کر گزارا۔ شکر اور محبت سے لبریز دل کے ساتھ اور پلک جھپکائے بغیر وہ مسلسل اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے خود بودھی ورکش کی پوجا کی اپنے چیلوں کو تلقین کی۔ ایک بہت ہی پختہ عقیدہ یہ ہے کہ بودھی ورکش کا احترام اور اس کے ساتھ عقیدت کا اظہار خود بدھا کے ساتھ احترام اور اظہار عقیدت ہے۔

۳۔ بدھا کی شبیہ یا مورتی کی پوجا

ضابطہ کی بات کی جائے تو مورتی پوجا بدھ مت میں جگہ نہیں پاتی۔ گوتم بدھ کی کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ اس کو کسی طرح بھی پوجا جائے۔ ابتدائی دور میں بدھا کی مورتیاں بالکل نہیں تھیں اسے علامتی طور پر ظاہر کیا جاتا جیسے پہیہ، نقش پا، وہ گدی جس پر وہ بیٹھتا تھا یا اس کے سائے کی شکل جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ چٹانوں پر

ثبت ہے ۔ اس کے مرنے کے چار پانچ صدی بعد ہی ایسا ہوا کہ اس کی نمائندگی اس کی مورتی سے ہونے لگی ۔ آج بودھوں کی عقیدت مندانہ زندگی میں مورتی پوجا مرکزی مقام رکھتی ہے ۔

گوتم بدھ کی مورتیاں اسے تین انداز ہائے (جسمانی) میں پیش کرتی ہیں:

(۱) ایستادہ

(۲) نشست (بیٹھنے) کی حالت میں اور

(۳) سہارے سے بیٹھے یا لیٹے ہوئے ۔

لوگوں کا پوجا کے لئے مورتی بنانا ایک بہت اہم وقوعہ ہوتا ہے جس کے ساتھ رسوم اور رواجی اعمال وابستہ رہتے ہیں ۔ بودھوں کے بہت سے گھروں میں بدھا کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں رہتی ہیں ۔ کسی گھر میں ایسی زیارت گاہ کی موجودگی اس کی پوجا کے لئے معقول سبب بن جاتی ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد بھی ہے کہ یہ برکت اور جادو سے تحفظ کا ذریعہ ہے ۔

(ط) بودھ (بودھ مذہب کا پیرو)

اگرچہ ہر بودھ نروان کو اپنا منتہائے مقصود تصور کرتا ہے ، بلند ترین اور مقدس عقیدہ جو وہ اپنا سکتا ہے ، مگر عام آدمیوں کے لئے وہ بہت دور کی چیز (تقریبا ناممکن الحصول) ہے اور ہر ایک اس تک جلد پہنچنے کی خواہش نہیں رکھتا ۔ عام طور پر غیر راہب بودھ یا غریب راہب ، اور کبھی خود راہب بھی ، اپنا بیشتر وقت اور دولت ثواب کے کام انجام دینے میں گزار دیتے ہیں ۔ تاکہ وہ زندگی بار دگر مسرت انگیز حالات میں پائیں اور شعور کی بلند تر حالتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی مدت میں مادی برکات سے بھی بہرہ اندوز ہوتے چلیں ۔ اور جبکہ دو بارہ اس سے خوش گوار تر حالات میں دوبارہ پیدا ہونے کو یقینی بنانے کے لئے وہ ثواب کے کام کئے چلے جاتے ہیں مادی برکات کے حصول کے لئے ساحرانہ اعمال بھی مسلسل جاری رہتے ہیں ۔

تاہم باطنی (اندرونی) زندگی پر زور (خصوصی توجہ) پوری زندگی کی ایک خصوصیت ہے وہ تینوں پناہ گاہیں ضرور حاصل کرلیتے ہیں اور احکام و اقوال پر پابندی سے عمل کئے جاتے ہیں، مخصوص طور پر "پویا ایام" میں اور روحانی صفات پیدا کرنے کے لے مراقبہ میں بھی وقت صرف کرتے ہیں۔

کرم کے فلسفہ اور پیدائش باردگر (تناسخ) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے بودھ اس راسخ (تقلید پسند) تعلیم پر سختی سے عامل ہیں کہ "سمسارا" کے طریق عمل میں "کون" یا "کیا" واقعتاً بقاء حیات کا ذریعہ بنتا ہے۔ زیادہ تر لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہی شخص اپنی حیات ارضی کے اختتام پر اگلے جنموں میں زندہ رہتا ہے۔ یہ واضح طور پر اس دعاء جنازہ سے سمجھ میں آجاتا ہے جس میں اس توقع کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ماتم کرنے والے رخصت ہونے والے سے کسی دوسری جنم میں دوبارہ مل سکتے ہیں۔

نوٹ۔ جن بودھوں کا بیان کیا گیا ہے ان کا تعلق تھیراوڈا روایت سے ہے۔ مہایانا روایت سے تعلق رکھنے والے بودھ کا حال اس سے پہلے بیان ہوچکا ہے

عماد الحسن آزاد فاروقی

جین مت ۔ ایک مطالعہ

مہاویر جین کی پیدائش ۵۹۹ ق م یں مشرقی ہندوستان کے مشہور شہر ویشالی کی ایک نواحی بستی میں ہوئی تھی ۔ مہاویر جین کے والد کا نام سدھارتھ اور والدہ کا ترشالا تھا ۔ خود مہاویر جین کا اصلی نام وردھمان تھا ۔ کئی بھائی بہن تھے ، جن میں وردھمان سب سے بڑے بھائی سے چھوٹے تھے ۔ بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابتدائی عمر سے ہی مذہبی غور و فکر کی طرف مائل تھے اور بڑے ہوکر انہوں نے سنیاس لینے کی خواہش بھی ظاہر کی لیکن والدین کی مرضی نہ پاکر انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ۔ ان کی شادی ایک باحیثیت گھرانے کی صاحبزادی یشودھا کے ساتھ ہوئی تھی جن سے ان کے ایک لڑکی انوجا نام کی ہوئی تھی ۔ مہاویر جب ۳۰ سال کے تھے تو ان کے والدین کا انتقال ہوگیا ۔ اس کے بعد اپنے بڑے بھائی نندی وردھن کی اجازت سے مہاویر نے سنیاس لے لیا ۔ سنیاس کے دوران اپنے خاندانی مذہب جین مت کے مطابق انہوں نے مختلف سخت قسم کی ریاضتوں کا سلسلہ شروع کیا ، جس میں ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو ستر پوشی سے بھی بے نیاز کر لیا بارہ سال کی سخت ترین ریاضتوں کے بعد مہاویر نے جین مت کے مطابق معرفت کا اعلی ترین مقام کیولیہ حاصل کرلیا اور وردھمان کی جگہ مہاویر (عظیم بہادر) اور جین (عارف) جیسے القاب سے یاد کیے جانے لگے ۔ اپنی عمر کے بقیہ ۳۰ سال انہوں

نے جین مت کی رہنمائی، اصلاح اور اشاعت میں صرف کئے ۔ اس دوران علاوہ متعدد معتقدین کے ان کے گیارہ خاص شاگرد بنے جنھوں نے مہاویر جین کے بعد جین مت کی اشاعت اور ترقی کا کام اپنے ہاتھ میں لیا ۔ مہاویر جین کا انتقال سوتامبر فرقے کے مطابق ۷۲ سال کی عمر میں ۵۲۷ سال قبل مسیح میں ہوا، جو کہ تاریخی اعتبار سے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

بنیادی عقائد

جین مت کے بنیادی عقائد سات کلیوں کی شکل میں مختصرا بیان کئے جاتے ہیں ،جن کو جین مت کی اصطلاح میں سات تتو یا سات "حقائق" کہا جاتا ہے ۔ درحقیقت یہ کائنات اور زندگی کے بنیادی مسئلہ اور اس کے حل کے بارے میں سات نظریات ہیں جن میں جین مت کا بنیادی فلسفہ بخوبی سمٹ کر آگیا ہے ۔ ذیل میں ہم جین مت کے ان حقائق کو ترتیب وار بیان کر دیتے ہیں، پھر ان کی تشریح پیش کریں گے ۔

۱۔ روح (جیو) ایک حقیقت ہے ۔

۲۔ غیر ذی روح (اجیو) بھی ایک حقیقت ہے جس کی ایک قسم مادہ ہے

۳۔ روح میں مادہ کی ملاوٹ ہوجاتی ہے ۔ (اسرو)

۴۔ روح میں مادہ کی ملاوٹ کے نتیجہ میں روح مادہ کی قیدی بن جاتی ہے ۔ (بندھ)

۵۔ روح میں مادہ کی ملاوٹ کو روکا جاسکتا ہے ۔ (سمورا)

۶۔ روح میں پہلے سے موجود مادہ کو زائل کیا جا سکتا ہے (نرجرا)

۷۔ روح کی مادہ سے مکمل علاحدگی کے بعد موکش حاصل ہوسکتا ہے ۔

مندرجہ بالا سات اصول جین دینیات کے وہ بنیادی موضوعات ہیں جن کی تشریح و تفصیل میں جین عالموں نے فکر و خیال کی انتہائی قوتوں کو صرف کر ڈالا اور ان میں سے ہر ہر موضوع کے اتنے پہلو اور امکانات تلاش کیے کہ جین دینیات ایک

چیستاں بن جاتی ہے جس کا بیک وقت احاطہ ذہنی قوت کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے ۔ ایک خصوصی دلچسپی جین عالموں کی اشیا اور کیفیات کی درجہ بندی اور انہیں قسم در قسم کرنے میں ہے ۔ جس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتاہے کہ صرف ایک کرم کی تقریبا ایک سو اٹھاون انواع بتائی گئی ہیں ، جن میں سے ہر ایک میں مختلف قسموں کے اعمال شامل ہیں ۔ بہرحال ، مختصرا اوپر دیے گئے اصولوں کی روشنی میں جین فلسفہ کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ کائنات میں کوئی ایک بنیادی حقیقت نہیں ، بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو بیک وقت ازلی ، ابدی اور بنیادی حیثیت کی حامل ہیں ۔ کائنات کے ان بنیادی حقائق کو دو عمومی قسموں میں بانٹ دیا گیا ہے ۔ (۱) روح (جیو) اور (۲) غیر ذی روح (اجیو)

"روح" اپنی فطرت کے لحاظ سے شعور علم ، احساس ، پاکیزگی ، لطافت ، نورانیت ، ابدیت اور دوسری تمام پسندیدہ صفات کی حامل ہے اور اس حیثیت میں وہ کرم اور آواگون کے چکر سے بھی آزاد ہے ۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو باوجودیکہ جین مت میں خدا کا تصور نہیں ہے لیکن روح کو بیشتر الوہی صفات کا حامل مانا گیا ہے ۔ پھر ان الوہی صفات کی مالک ، کائنات میں بس کوئی ایک ہی روح نہیں ہے ، جیسا کہ برہمنی مت میں پرم آتما کا تصور ہے ، بلکہ کائنات میں ان خصوصیات کی حامل بے حد و حساب ارواح ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک مستقل اور آزاد حیثیت کی مالک ہے ۔

روح کی طرح "غیر ذی روح" بھی کائنات میں مستقل اور ازلی حیثیت کے مالک ہیں ۔ البتہ جہاں ارواح کی تعداد بے شمار ہے اور کائنات کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں ہے وہاں غیر ذی روح اشیاء میں پہلی چیز مادہ (پدگل) ہے جو اپنی مختلف مظاہر لاتعداد ہوسکتے ہیں ۔ ان "غیر ذی روح) اشیاء میں پہلی چیز مادہ (پدگل) ہے جو اپنی مختلف شکلوں میں کائنات میں ہر طرف دیکھا جاسکتا ہے ۔ دنیا کی تمام ٹھوس اور قابل محسوس اشیاء اس کے مخصوص نمائندے ہیں ، اگرچہ جین مت میں مادہ کی بعض ایسی اقسام بھی گنائی جاتی ہیں جو احساس کی گرفت میں نہیں آتیں ، البتہ ان کے اثرات کو محسوس کیا جاسکتا ہے

اس کی سب سے اہم مثال وہ مادہ ہے جو کرم سے متعلق سمجھا جاتا ہے اور جس کو ہم اپنی اصطلاح میں "عملیاتی مادہ" کہہ سکتے ہیں، اس کی مزید تشریح ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ مادہ، دوسری اور غیر ذی روح اشیاء کی طرح شعور سے عاری ہے اور کائنات میں کثافت، ثقل، تاریکی اور علم و پاکیزگی کی مخالفت جیسی ناپسندیدہ صفات سے متصف ہے جیسا کہ ہم آئندہ دیکھیں گے، ارواح کے کرم اور آواگون کے چکر میں پھنسے ہوئے طلسم زندگی میں سرگرداں رہنے کا اصل سبب جین مت کے مطابق مادہ کے ساتھ روح کا اتصال ہی قرار پائے گا۔

مادہ کے علاوہ جو چار اشیاء "غیر ذی روح" میں شامل ہیں اس میں ایک دھرم ہے۔ دھرم کو کائنات میں موجود اصول حرکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جین تصور کے مطابق یہ وہ شئے ہے جس کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی۔ دھرم خود کسی چیز کو حرکت نہیں دیتا، بلکہ حرکت پذیر اشیاء کی حرکت کو ممکن بناتا ہے اس کی مثال مچھلی اور پانی کی دی جاتی ہے جس طرح پانی مچھلی کو حرکت نہیں دیتا لیکن پانی میں ہی مچھلیوں کی حرکت ممکن ہو پاتی ہے اسی طرح کائنات میں جو بھی حرکت ہو رہی ہے وہ دھرم کے اصول کی بنیاد پر ہی عمل میں آرہی ہے۔ مادہ کی طرح دھرم بھی ازلی اور ابدی ہے، البتہ یہ مادہ کے برخلاف کوئی حجم اور وزن نہیں رکھتا اور غیر محسوس ہوتا ہے۔

"غیر ذی روح" میں تیسری نوع ادھرم کی ہے۔ یہ دھرم کے مقابلے میں کائنات میں سکون کا اصول ہے، جس طرح کسی بھی نوع کی حرکت دھرم کے وجود کی محتاج ہے اسی طرح کسی شے کا غیر متحرک اور ساکن ہونا ادھرم کے اصول کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ کائنات میں اگر یہ اصول کار فرما نہ ہو تو تمام اشیاء صرف متحرک ہی رہیں اور کبھی سکون پذیر نہ ہو سکیں۔ دھرم ہی کی طرح ادھرم بھی کسی شے کی صورت حال میں براہ راست دخل انداز نہیں ہوتا یعنی اگر کوئی شئے متحرک ہے تو ادھرم اس کی حرکت میں ہر گز خلل انداز نہیں ہوگا، البتہ جو شئے کسی وجہ سے سکون پذیر ہونے والی ہو اس کا سکون میں آنا ادھرم ہی کے وجود پر منحصر ہے۔ آکاش یا "فضا" غیر ذی روح کی چوتھی قسم ہے۔ جین مت میں فضا ایک خارجی حقیقت ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ تمام اشیاء

کے موجود ہونے کے لئے جگہ فراہم کرتی ہے۔ کال یا "وقت" بھی جین مت میں غیر ذی روح کی ایک قسم اور ایک بدیہی حقیقت ہے۔ البتہ تمام حقائق میں صرف "وقت" ایسی حقیقت ہے جو فضا کے دائرے سے باہر ہے اور فضا کے متوازی اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ جیو کی نوع میں شامل تمام ارواح اور غیر روح (اجیو) کی مندرجہ بالا پانچ اقسام جین مت کے نزدیک کائنات کی وہ چھ بنیادی حقیقتیں ہیں جو ازلی، ابدی اور مستقل حیثیت کی مالک ہیں۔ اس طرح ہم جین مت کو کثرت حقیقت پر یقین رکھنے والا ایک فکری نظام کہہ سکتے ہیں۔

دوسرے ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت بھی کرم اور آواگون کے عقیدہ کو اور اس کے نتیجہ میں روح کے دنیا کے اندر مختلف جنموں کی صورت میں چکر لگاتے رہنے کو تسلیم کرتا ہے۔ دیگر ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت میں بھی اس سلسلہ کی کسی ابتدا اور بغیر "موکش" حاصل کئے ہوئے اس سلسلہ کے کسی اختتام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، البتہ ان مذاہب میں جین مت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جبکہ اور روایتوں میں کرم کسی بھی نوع کے عمل کا نام ہے جس کے نتیجہ میں اسی دنیا میں پیش آنے والی آئندہ زندگی کی کیفیت متعین ہوتی ہے، جین مت میں کرم مادہ کی ایک لطیف اور غیر محسوس شکل کا نام ہے۔ جین عقیدہ کے مطابق ذہنی اور جسمانی کسی بھی عمل کے نتیجہ میں روح میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ کرم کا لطیف مادہ جو فضاء میں ہر طرف موجود ہے روح کے اندر در آتا ہے اور روح کی پاکیزگی کو کثیف کردیتا ہے۔ مختلف اعمال کے نتیجہ میں جو "عملیاتی مادہ" مستقل روح میں داخل ہوتا رہتا ہے وہ رفتہ رفتہ روح کے چاروں طرف کثافت کا ایک خول چڑھا دیتا ہے جس کے اندر روح کی اپنی طبعی پاکیزگی اور نورانی صفات چھپ جاتی ہیں۔ اس طرح روح مادہ کی قیدی بن جاتی ہے۔ چونکہ مادہ کثیف ہوتا ہے اور وزن رکھتا ہے اس لیے مادہ اپنے وزن سے ارواح کو مستقل اس عالم رنگ و بو میں کھینچے رکھتا ہے۔ اگر مادہ کا یہ وزن ارواح کو نیچے کی طرف نہ کھینچے رکھے تو ارواح اپنی لطافت کی وجہ سے سیدھی اوپر چلی جائیں اور آسمان کی سطح پر جاکر ٹک جائیں جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ اپنے شعور اور نورانیت کی برکتوں سے

لطف اندوز ہوتی رہیں ۔ مرنے کے بعد بھی ارواح کے آسمان کی طرف نہ جاکر اسی دنیا میں پیدا ہونے کا سبب بھی یہی مادہ کا خول ہے ، جو ارواح کو اپنے وزن سے اسی دنیا میں کسی اور شکل میں ٹکے رہنے پر مجبور کرتا ہے ۔ جین مت کی اصطلاح میں روح کے اندر " عملیاتی مادہ " کے داخل ہونے کے عمل کو اسرو اور روح کی مادہ کے خول میں گرفتاری کو بندھ کہا جاتا ہے ۔

جین عقیدہ کے مطابق کسی بھی عمل کے ذریعہ روح میں جو ایسی مخصوص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عملیاتی مادہ روح میں جگہ پالیتا ہے ، تو اس کا حقیقی سبب وہ خواہشات ہیں جو مختلف اعمال کے لیے محرک ثابت ہوتی ہیں ۔ یعنی اگر کوئی عمل ایسا ہو جو کسی خواہش کے نتیجہ میں نہ ہو تو پھر وہ عمل روح میں ایسی کیفیت نہ پیدا کرپائے گا جس سے عملیاتی مادہ اس میں راہ پاسکے ۔ دوسرے الفاظ میں اگر کسی طرح خواہشات کو ختم کیا جاسکے ، یا کم سے کم ان پر قابو پایا جاسکے ۔ ، تو پھر جو بے غرض اعمال سرزد ہوں گے وہ روح کے اندر " عملیاتی مادہ " کے داخل ہونے کا سبب نہیں بنیں گے ، یا ان کے ذریعہ بہت کم " عملیاتی مادہ " روح میں داخل ہو پائے گا ۔ اس صورت حال کو حاصل کرنے کا ذریعہ جین مت کا اپنا اخلاقی نظام ہے جو خواہشات پر قابو پانے یا ان کی نفی پر مبنی ہے ۔ اس اخلاقی نظام پر عمل کرکے روح کے اندر مزید " عملیاتی مادہ " کے داخل ہونے کو بڑی حد تک روکا جاسکتا ہے ۔ روح کے اندر مزید مادہ کی آمد کو روکنے کا عمل جین مت میں سمورا کہلاتا ہے ۔

اگرچہ جین مت کی تجویز کردہ اخلاقیات کے ذریعہ عمل کے لازمی نتیجہ " عملیاتی مادہ " کی روح میں آمد کو روکا جاسکتا ہے ، لیکن روح کی مادہ سے آزادی کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ پہلے سے روح میں موجود اور روح کے چاروں طرف غلاف کی طرح چڑھے ہوئے مادہ کو ختم کیا جائے ، تاکہ روح مادہ کے اثر سے مکمل طور پر آزاد ہوسکے ، روح کے ساتھ پہلے سے متصل مادہ کو دور کرنے کا عمل جین مت میں نرجرا کہلاتا ہے ، نرجرا کو حاصل کرنے کے لیے جین روایت میں نفس کشی پر مبنی مختلف طرح کی ریاضتیں تجویز کی جاتی ہیں جن کے ذریعہ روح میں نئے مادہ کی آمد کو روک کر ، اور

دوسری طرف نرجرا کے ذریعہ پہلے سے موجودہ مادہ کو زائل کرکے ، روح اور مادہ کے انفصال کو مکمل طور سے حاصل کرلیا جاتا ہے مادہ کے اثر سے آزاد ہو کر روح اپنی تمام فطری خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوجاتی ہے ۔ علم شعور ، پاکیزگی ، لطافت ، نورانیت ، سعادت ، ابدی مسرت ، غرض تمام پسندیدہ خوبیاں جو کہ روح کی ذاتی صفات ہیں ، اور جواب تک مادہ کی کثافت سے چھپی ہوئی تھیں ۔ اب مکمل طور سے ظاہر ہوجاتی ہیں ۔ یہی موکش (نجات) ہے مرنے کے بعد ایسی نجات یافتہ ارواح چونکہ مادہ کی کثافت سے پاک ہوتی ہیں ، اس لئے سیدھی آسمان میں اوپر کی طرف چلی جاتی ہیں اور اس کی چھت پر جا کر ٹک جاتی ہیں ۔ جہاں وہ ابد الا باد تک اپنی پاکیزہ خصوصیات سے لطف اندوز ہونے میں غرق رہیں گی ۔ ایسی ارواح کرم اور آواگون کے چکر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات پا چکی ہیں ۔

اخلاقی تعلیمات

جین مت میں چونکہ ابتدائی بدھ مت کی طرح " نجات " کا دار ومدار کسی غیبی طاقت کے فیصلے یا دیوتاؤں کی مرضی کے برخلاف سرتاسر انسان کی ذاتی سعی و کوشش پر مبنی ہے ، اس لیے روح کو مادہ کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے اس مذہب میں ایک بہت تفصیلی لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں مختلف نوعیت کے قوانین ، اصولوں اور ضابطوں کی متعدد فہرستیں ہیں جو جین مت کے مطابق ہر " نجات " کے خواہشمند کے لیے لازمی ہیں ۔ یہ اصول و ضوابط تعداد میں اتنے زیادہ اور ہمہ گیر ہیں کہ فرد کی ذاتی و سماجی زندگی کا کوئی گوشہ ان کے دائرہ سے باہر نہیں رہ گیا ہے ۔ یہ قوانین فرد کی پوری زندگی کو ایک بہت سخت ڈسپلن کا تابع بنا کر چھوڑتے ہیں ۔ البتہ اس سلسلے میں جین مت میں یہ فرق مہاویر جین کے زمانہ سے ہی چلا آرہا ہے کہ چونکہ تمام لوگ خواہشات کی نفی کے اعلیٰ ترین معیار کے لیے فوراً تیار نہیں ہوسکتے اس لیے لوگوں کو اس کی آزادی دی گئی ہے ۔ کہ وہ مکمل ترک دنیا نہ کرتے ہوئے گھر بار والی سماجی

زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ اس صورت میں ان کو جین مت کے اخلاقی قوانین و ضوابط کو ایک ہلکی (انوورتا) شکل میں ماننا کافی ہوگا۔ جو ان کو آئندہ اعلیٰ ترین اخلاقی معیار کے لیے تیار کردے گا۔ ایسے گرہست اور سماجی زندگی گزارنے والے جینیوں کے لیے شروک (مردوں کے لیے) اور شروکا (عورتوں کے لیے) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ البتہ جو لوگ جین مت کی اخلاقی تعلیمات کو مثال (مہاورتا) صورت میں اپنانا چاہتے ہوں۔ ان کو مکمل سنیاس لینا ہوگا۔ یہ لوگ سادھو (مردوں کے لیے) سادھوی (عورتوں کے لیے) کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ انہیں تعلیمات کو جو گرہست لوگوں کے لیے ہیں زیادہ سخت شکل میں اور نہایت باریک بینی سے عمل میں لاتے ہیں اور اس کے علاوہ کئی ایسے قوانین پر بھی عمل پیرا ہوتے ہیں جو صرف سادھوؤں کے لیے ہی مخصوص ہیں۔

" نجات " حاصل کرنے کے اس لائحہ عمل کو جین مت میں سب سے پہلے تین بڑے حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ جو جین مت میں تری رتن (جواہر ثلاثہ) کہلاتے ہیں جین مت کے یہ جواہر تلاثہ سمیک درشن (صحیح عقیدہ) ۲ سمیک گیان (صحیح علم) ۳ سمیک چرتر (صحیح عمل) ہیں۔

سمیک درشن ۔ ان جواہر تلاثہ میں صحیح عقیدہ کو سب سے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صحیح عقیدہ کی غیر موجودگی میں جین مت کے نزدیک بقیہ دونوں اجزاء یعنی صحیح علم اور صحیح عمل کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ جین مت کے نزدیک صحیح عقیدہ میں جین تیر تھنکروں کے حقیقی مذہبی رہنما ہونے پر یقین، جین مقدس کتابوں کی تقدیس اور جین مت کے اولیاء کی بزرگی پر ایمان لانا اولین شرط ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحیح عقیدہ میں جین مت کے تسلیم کردہ سات " حقائق " جیو، اجیو، اسرو، بندھ، سمورا، نرجرا اور موکش، جن کی تفصیل ہم اوپر بیان کرچکے ہیں، پر ایمان لانا ضروری ہے۔ صحیح عقیدہ کے ضمن میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس میں آٹھ مطالبات کو پورا کرنا تین طرح کے توہمات اور آٹھ قسم کے تکبرات سے پرہیز بھی شامل ہیں۔

سمیک گیان ۔ صحیح علم جین مت کے نزدیک اشیاء کے ان کی حقیقی ماہیت میں جیسا کہ وہ ہیں، جاننے کو کہتے ہیں جین مت کے نزدیک یہ اس وقت تک نہیں حاصل

ہوسکتا جب تک کہ ہر طرح کا باطل علم زائل نہ ہوجائے صحیح علم کی پانچ اقسام جین مت میں مستند مانی گئی ہیں ۔ متی گیان (حواس اور عقل پر مبنی علم) ، شرت گیان (مقدس کتابوں پر مبنی علم) ، اددھی گیان (غیب دانی سے حاصل کردہ علم) ، من پر یایا گیان (دوسروں کے خیالات اور احساسات کا علم) اور کیویلیہ گیان یا علم کامل جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اور جو کہ روح کی جبکہ وہ مادے سے غیر ملوث اپنی اصلی حالت میں ہوتی ہے ، طبعی خصوصیت ہے ۔

صحیح عمل جین مت کی تعلیمات کا وہ حصہ ہے جو راہ راست روح کو مادہ کی قید سے آزاد کرانے اور موکش (نجات) کے حصول کا ذمہ دار ہے ۔ اگرچہ صحیح عمل کی افادیت بلکہ صحیح عمل کا صادر ہونا ہی جین مت کے نزدیک اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب کہ صحیح علم اور اس سے پہلے صحیح عقیدہ موجود ہوں ، لیکن صحیح عمل کی براہ راست اہمیت کے پیش نظر جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا تھا ۔ انسان کی عملی زندگی کو مخصوص طرز میں ڈھالنے کے لیے جین مت میں نہایت تفصیلی قوانین موجود ہیں (۷) ان قوانین کی پیچیدہ تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے ہم یہاں صرف جین اخلاقیات کے اہم ترین حصے بیان کریں گے ۔

جین مت کی اخلاقی تعلیمات میں سب سے بنیادی اہمیت ان پانچ ورتوں (واحد ورت) کی ہے جن پر ہر جینی کو تازندگی عمل کرنے کا عہد کرنا پڑتا ہے ۔ ان پانچ اصولوں میں سے چار تو بہت قدیم ہیں اور جین مت میں مہاویر سے پہلے سے رائج تھے ، البتہ مہاویر جین نے جہاں جین مت میں اور دوسری اصلاحات کی تھیں ۔ وہاں ایک پانچویں بنیادی عہد برہمچریہ (پاک بازی) کا بھی الگ سے اضافہ کیا تھا ۔ مہاویر جین سے پہلے برہمچریہ کا تصور شاید چوتھے عہد اپری گرہ (دنیا سے بے رغبتی) کے اندر شامل سمجھا جاتا تھا ۔ اور اس پر الگ سے کوئی زور نہیں دیا گیا تھا ۔ جین مت کے پانچ بنیادی عہد یہ ہیں (۱) اہنسا (عدم تشدد) (۲) ستیہ (راست گفتاری) (۳) استیہ (چوری نہ کرنا) (۴) برہمچریہ (پاک بازی) (۵) اپری گرہ (دنیا سے بے رغبتی) لیکن سمجھ لینا چاہیے کہ جین مت میں یہ پانچ اصول اپنے انتہائی وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثال کے طور پر اہنسا ، جو کہ

جین مت کا بنیادی ستون اور مرکزی اخلاقی تعلیم کہی جاسکتی ہے ۔ صرف جسمانی طور پر جانداروں کو نہ مارنے یا ان کو تکلیف نہ پہنچانے پر مبنی نہیں کہی جاسکتی ۔ بلکہ خیالات اور گفتگو میں تکبر، نفرت، تعصب، عدم احتیاط اور دنیاوی لالچ کا شکار ہونا بھی جین مت میں اہنسا کی خلاف ورزی سمجھی جائے گی ۔ اسی طرح راست گفتاری کے ضمن میں علاوہ سچ بولنے کے، مبالغہ، عیب جوئی اور ہر نامناسب گفتگو سے پرہیز بھی شامل سمجھا جائے گا ۔ چوری نہ کرنے میں بلا اجازت دوسرے کی چیز نہ لینے کے علاوہ، گری پڑی اشیاء دھوکہ سے حاصل کیا ہوا مال، تجارت میں کسی طرح بے ایمانی، یا کسی بھی ناجائز طریقہ سے حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز شامل ہے ۔ پاکبازی میں نہ صرف ذہنی اور جسمانی طور پر اپنی عصمت و عفت کی حفاظت شامل ہے، بلکہ دوسروں کی شادیاں کرانے میں بہت دلچسپی لینا یا آزاد رو مرد اور عورتوں سے تعلقات رکھنا ۔ فحش گفتگو میں حصہ لینا وغیرہ بھی پاکبازی کے عہد کی خلاف ورزی تسلیم کی جاتی ہے ۔ اپری گرہ یا دنیا سے بے رغبتی کے عہد میں بھی اسی طرح نہ صرف دل سے دنیاوی اشیاء کی محبت کو خارج کرنا کافی ہوگا بلکہ مادی اعتبار سے بھی اپنی دولت و جائداد کو محدود رکھنا ہوگا، جو کہ سادھوؤں کے ضمن میں تو اپنی ملکیت صرف چند ضروریات زندگی تک محدود رکھنے پر منحصر ہے لیکن گرہست لوگوں کے لیے اس کی یہ صورت ہے کہ ان کو پہلے سے متعین کرلینا ہوگا کہ وہ زندگی میں صرف ایک مخصوص حد تک ہی مال و دولت اپنے پاس رکھیں گے اور پھر ساری عمر اس کی پابندی کرنی ہوگی ۔

جیسا کہ ہم نے اس اپری گرہ کے اصول میں دیکھا کہ مندرجہ بالا اصولوں کی مثالی پابندی گرہست لوگوں کے لیے مشکل ہوگی اور اس لیے ان کے ساتھ اس اصول کی پابندی میں سادھوں کی بہ نسبت کچھ رعایت رکھی گئی ہے، اسی طرح دوسرے اصولوں میں بھی مثالی پابندی کا تقاضہ صرف سادھوؤں کے ساتھ مخصوص ہے ۔ گرہست لوگوں کے لیے ہر اصول میں ایسی رعایت رکھی گئی ہے جس کے ذریعہ ان کو دنیا میں رہ کر اپنے خاندان کی پرورش کرنا اور ایک سماجی زندگی گزارنا ممکن ہوسکے ۔ البتہ ان سے یہ مطالبہ ضرور کیا جاتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے وہ مثالی تصور سے قریب سے قریب تر

ہونے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے لیے جین مت کی مذہبی قوانین کی کتابوں میں تفصیلی ذیلی قوانین بھی متعین کردیے گئے ہیں۔

ان پانچ بنیادی عہدوں کے علاوہ جو کہ تمام جینیوں کے لیے لازمی ہیں، گرہست جینیوں کو سات مزید فروعی عہد کرنے ہوتے ہیں جو کہ جین مت کے تصور میں ان کو بنیادی عہدوں پر عامل رہنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ فروعی عہد اس طرح ہیں۔

۱۔ دگ ورت،۔ یہ عہد کرنا کہ زندگی بھر کسی سمت میں بھی مخصوص فضائی مقامات سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ (جین مت میں فضاء بھی مختلف ٹھوس نشانات پر مبنی ہے)

۲۔ دیش ورت،۔ مندرجہ بالا کی طرح علاقائی اعتبار سے بھی مخصوص مقامات کے اندر محدود رہنے کا عہد کرنا۔

۳۔ انرتھ ڈنڈورت،۔ زندگی بھر بے مقصد برائیوں سے پرہیز کا عہد کرنا، مثلاً فضول تفکرات، خطرات میں کودنا یا دوسروں کو اس طرح کی فضولیات پر آمادہ کرنا، وغیرہ

۴۔ سامائکا،۔ روزآنہ کچھ دیر کے لیے مراقبہ کرنے کا عہد کرنا۔

۵۔ پرِدشادھو پادسا،۔ عمر بھر مہینے کے چار مخصوص دنوں میں روزہ رکھنے کا عہد کرنا۔

۶۔ اپابھوگ، پری بھوگ، پری مان،۔ کھانے پینے اور استعمال کی اشیاء سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک حد قائم کرنا۔

۷۔ اتی تھی سموبھاگ۔ سادھوؤں یا نیک لوگوں کو کھانا کھلائے بغیر خود نہ کھانے کا عہد کرنا۔

ان سات (۷) فروعی عہدوں کے ساتھ تمام جین عالموں کے نزدیک ایک گرہست کو عمر کے آخری حصے یا کسی جان لیوا بیماری میں سلیکھنا یعنی فاقے کے ذریعہ خودکشی کا عہد بھی کرنا چاہیے۔ جو کہ جین مت میں بہت قابل تعریف موت سمجھی جاتی ہے۔ تمام عمر جینیوں کے لیے گوشت، شہد، کچی سبزیوں جڑوں، نشہ آور اشیاء، سورج

چھپنے کے بعد کھانا کھانے ۔ اور درختوں سے پھل توڑنے وغیرہ سے پرہیز بھی لازمی سمجھا جاتا ہے ۔

مندرجہ بالا قوانین اور ان جیسے اور دوسرے اعمال کے علاوہ جو کہ جین مت میں گرہست جینیوں کی روحانی ترقی کے لیے تجویز کیے گئے ہیں ۔ گرہست جینیوں کے روحانی ارتقاء اور موکش سے ان کی درجہ بدرجہ قربت کو ایک اور اسکیم کے ذریعہ متعین کیا گیا ہے ۔ جو کہ گیارہ پرتیمائیں یا روحانی زندگی کے گیارہ مدارج کہلاتے ہیں ۔ ان پر تیماؤں کے ذریعہ گرہست درجہ بدرجہ روحانی ترقی کرتا ہوا وہی فوائد حاصل کرسکتا ہے جو کہ ایک جین سادھو کو کو اپنے سنیاس کے درجہ کمال میں حاصل ہوتے ہیں اور درحقیقت ان پر تیماؤں کے اخری مدارج پر ایک گرہست اور سادھو کی زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا ۔ البتہ جن مدارج کو طے کرنے اور ان میں کمال حاصل کرنے کے لیے ایک سادھو کو طویل مدت درکار ہوتی ہے ان کا دور جبوریت ایک گرہست کے لیے بہت مختصر کردیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر اس روحانی ارتقاء کے آخری درجہ کی مدت میں جس کی تکمیل ایک مہینہ کی فاقہ کشی کے ذریعہ خود اختیاری خودکشی پر ہوتی ہے ۔ ایک گرہست کے لیے بارہ مہینے ہے ۔ جبکہ ایک سادھو کو یہ آخری درجہ اور اس کے بعد خودکشی کی "مبارک" موت ، بارہ سال کے طویل عرصے میں اپنے کو رفتہ رفتہ گھلاتے رہ کر حاصل کرنا ہوتی ہے (۹) ایک سادھو کو ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنی ہوتی ہیں ۔ لیکن اس کو بہرحال اپنے کو زندہ رکھنا ہوتا ہے تاکہ وہ روحانیت کی تکمیل سے پہلے بے کار موت نہ مرسکے ۔

• گرہست لوگوں کے اخلاقی قوانین پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد اب ہم جین سنگھ (جماعت ، امت) کے دوسرے طبقے یعنی سادھوؤں کے سلسلے کی تعلیمات کو دیکھتے ہیں ۔ جین مت کے اس طبقہ میں مرد سادھوؤں کے علاوہ عورت سادھویاں بھی شامل ہوتی ہیں ۔ اگرچہ مرد اور عورت سادھوؤں میں برہمچریہ (پاکبازی) کی نہایت سخت پابندیوں کی وجہ سے باہم ارتباط کے بہت کم مواقع ہوسکتے ہیں تاہم مرد سادھوؤں کی جماعت کا نظم علاحدہ ہوتا ہے اور عورتوں کا علیحدہ ، سنیاس کی ابتدا جین

مت کے پانچ بنیادی ورتوں (عہدوں) کو ان کی مہاورتا (عظیم مثالی) شکل میں لینے سے ہوتی ہے اور اس کے بعد تمام دنیاوی تعلقات سے ناتہ توڑ کر پانچویں ورت اپری گرہ (دنیا سے بے رغبتی) کے تحت صرف چند ضروری چیزوں کے علاوہ ایک سادھو کو ہر طرح کی ذاتی ملکیت سے ہاتھ دھولینا پڑتا ہے۔ نجی استعمال کی چیزوں میں ایک مرد سادھو کو تین بغیر سلے کپڑے اور عورتوں کو چار کپڑے رکھنے کی اجازت ہے (یہ شق صرف سوئتامبر فرقہ کے سادھوؤں کے لیے ہے کیونکہ دگامبر فرقہ کے سادھو بالکل ننگے رہتے ہیں اور ان کے فرقہ میں عورتوں کو سنیاس لینے کی اجازت نہیں ہے اس کے علاوہ ایک سادھو اپنے پاس بھیک مانگنے کے دو برتن (ایک کھانے اور دوسرا پینے کی چیزوں کے لیے ۰ ایک جھاڑو (بیٹھنے اور سونے یا کچھ رکھنے سے پہلے جگہ صاف کرنے کے لیے تاکہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی دب کر مر نہ جائے اور سادھو جان لینے کے عظیم گناہ کا مرتکب نہ ہوجائے) ۰منہ پر باندھنے کا کپڑا (تاکہ نہ دکھائی دینے والے کیڑے بولتے وقت منہ میں جاکر نہ مر سکیں) اور ایک عصاء اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ اشیاء بھی ایک سادھو کو خرید کر ۰ ادھار مانگ کر کچھ گروی رکھ کر یا (خدا نخواستہ) چرا کر نہیں بلکہ بھیک مانگ کر حاصل کرنی ہوتی ہیں اپنی غذا بھی ایک سادھو ۲۴ گھنٹے میں ایک بار سہ پہر میں بھیک مانگ کر حاصل کرتا ہے ۰ جو سورج چھپنے سے پہلے اس کو کھا لینا چاہیے۔ کل کے لیے کچھ اٹھار کھنا (سوائے بیماری کی حالت کے) پہلے سے اپنے لیے خاص طور پر تیار کیا ہوا کھانا بھیک میں ممنوع ہے۔ اس اسلسلے میں اور سادھوؤں کے دوسرے معمولات کے لیے ۰نہایت تفصیلی جزئی قوانین موجود ہیں جو سب یہاں بیان نہیں کیے جاسکتے۔ رات کو کھانا (تمام جینیوں کے لیے) اور سادھوؤں کے لیے رات میں چلنا پھرنا بھی اس لیے منع ہے کہ اندھیرے میں کسی بھنگے کا کھانے میں گر کر یا کسی کیڑے مکوڑے کا پیر کے نیچے دب کر مرجانے کا اندیشہ ہے اور اس طرح اہنسا کے ورت کی خلاف ورزی ہوگی۔ تمام سادھوؤں (مرد اور عورتوں سبھی کو) سر منڈوانا لازمی ہے ۰ بلکہ بہتر ہے کہ اگر موچنے سے بال اکھڑوائے جائیں۔ بال اکھڑوانے کی یہ رسم جو جین مت میں لوچا کہلاتی ہے۔ بعض حالات اور واقعات میں لازمی ہوتی ہے۔

سادھوؤں کے قیام کے سلسلے میں ابتداء میں تو یہ دستور تھا کہ سوائے برسات کے جبکہ گرہست جینیوں کے مکان میں ان کے ٹھہرنے کا انتظام کردیا جاتا تھا بقیہ تمام وقت سادھو مستقل حالت سفر میں رہتے تھے لیکن اب موجودہ دور میں بہت سی جگہوں پر سادھوؤں کے لیے اپسرایا (سادھوؤں کے مکان) بنے ہوئے ہیں جہاں سادھو عارضی طور پر (گاؤں میں ایک ہفتہ شہر ہو تو ایک مہینہ) ٹھہر سکتے ہیں۔ سوتامبر فرقے کے سادھو تو صرف انہی جگہوں کے درمیان سفر کرتے ہیں جہاں اپسرا موجود ہوں۔ مرد اور عورت سادھو کے ٹھہرنے کا مکانات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ گرہست جینی سادھوؤں سے انہی مکانات (یہ صرف بڑے بڑے ہال ہوتے ہیں جن میں لکڑی کے تختے پلنگوں کی جگہ بچھے ہوتے ہیں) میں ملتے ہیں اور انہی مواقع پر جینی سادھو گرہست لوگوں کو مذہبی تعلیم اور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

جین سادھوؤں کے اخلاقی وروحانی ضوابط میں تین قسم کی گپتیاں (ضبط نفس)، پانچ طرح کی سمیتیاں (احتیاطیں) موس دھرم (نیکیاں)، بارہ قسم کی الوپ ریکشائیں (مراقبے) بائیس طرح کی پریکشائیں۔ (تکالیف)، پانچ قسم کے چرتر (اخلاقی معیار) اور بارہ قسم کے تپ (ریاضتیں) شامل ہیں۔

تین قسم کی گپتیوں میں پہلی منوگپتی دماغ پر قابو رکھنے سے متعلق ہے جس کے ذریعہ برے اور ناپسندیدہ خیالات کو ذہن سے دور رکھ کر صرف اچھے اور پاک خیالات کے لیے جگہ بنائی جائے گی۔ دوسری واک گپتی گفتگو پر قابو رکھنے سے متعلق ہے کہ جہاں تک ہو سکے آدمی خاموش رہے اور جب بولے تو صرف بہت ضروری گفتگو پر قناعت کرے۔ تیسری کایا گپتی جسمانی حرکات پر قابو رکھنے سے متعلق ہے۔

پانچ طرح کی سمیتیاں (احتیاطیں) چلنے، بولنے، بھیک مانگنے یا کھانا کھانے۔ چیزوں کو رکھنے یا اٹھانے، یا رفع حاجت کے دوران انتہائی احتیاط سے متعلق ہیں، کہ جس سے ان اعمال کے دوران کسی چھوٹے سے چھوٹے جاندار کو تکلیف پہنچنے یا اس کی جان ضائع ہونے کا احتمال نہ رہے۔

دس لکشنا دھرم یا دس نیکیاں حد درجہ کی معافی، حد درجہ کی نرمی، حد درج کی

ریاضت ، حد درجہ کا اخلاص ، حد درجہ کی قناعت ، حددرجہ کی راست گوئی ، حد درجہ کا ضبط نفس ، حد درجہ کی ریاضت ، حد درجہ کا ترک دنیا ، حد درجہ کی بے لوثی اور حد درجہ کی پاکبازی پر مبنی ہیں۔

بارہ قسم کی انوپ ریکشائیں یا مراقبے کے موضوعات ، دنیا کی بے ثباتی ، انسان کی بے بسی ، روح کی دنیاوی قید ، انسان کی تنہائی ، روح کی مادے اور تمام علائق سے علاحدگی ، جسم کی کثافت ، روح میں مادے کی مداخلت ، روح میں مادے کی مداخلت کو روکنا ، روح میں پہلے سے موجود مادے کا انخلاء ، کائنات کی وسعت اور کاریگری ، روحانی علم کی کمیابی اور اس کے حصول کی مشکلات اور راہ معرفت کی نوعیت ہیں۔

بائیس قسم کی تکالیف میں جو کہ سادھو اور سادھونی کو برداشت کرنی ہوتی ہیں ، بھوک ، پیاس ، سردی ، گرمی کیڑوں کے کاٹنے کا تکلیف ، ننگے رہنا ، ناپسندیدہ جگہ رہنا جنسی جذبہ کے تقاضے ، زیادہ چلنا ایک وضع میں طویل وقفے کے لیے بیٹھنا ، زمین پر آرام کرنا ، برا بھلا سننا ، مار پیٹ سہنا ، بھیک مانگنا ، بھیک مانگنے پر بھیک نہ ملنا ، بیماری ، کانٹے گڑنا ، جسمانی گندگی اور ناپاکیاں بے عزتی سہنا اپنے علم کی قدردانی نہ ہونا ، کسی نہ کسی درجہ میں اپنے اندر جہالت کو موجود پانا ، جین مت کے متعقدات کے سلسلے میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا ، شامل ہیں۔

پانچ طرح کے چرتر یا اخلاقی معیار جو ایک سادھو کو حاصل کرنے ہوتے ہیں اس میں مکمل۔ جمعیت قلبی ، سکون قلب کے درہم برہم ہوجانے پر اس کو دوبارہ حاصل کرنا ، مکمل اور غیر مشروط اہنسا جذبات اور خواہشات سے مکمل آزادی اور بے غرض مثالی طرز عمل شامل ہیں۔

سادھوؤں کے اخلاقی نظم و ضبط کے سلسلے میں اب تک جو اصول ذکر کیے گئے ہیں ان کا مقصد ایسی کیفیت کو حاصل کرلینا ہے جہاں روح کے اندر مزید " عملیاتی مادے " کی آمد (سمورا) کو روکا جاسکے ۔ روح میں پہلے سے موجود مادے کے انخلا کے لئے جین مت میں مختلف نوع کی ریاضتوں کو بنیادی وسیلہ سمجھا جاتا ہے ۔ اس طرح کی ریاضتوں میں بارہ قسم کی ریاضتیں ہر سادھو کے ضابطہ اخلاق میں شامل سمجھی جاتی ہیں۔

یہ ریاضتیں اس طرح ہیں۔

1۔ چھ جسمانی ریاضتیں اس میں مختلف اوقات میں روزے رکھنا ، بھوک سے کم کھانا، خوراک کے سلسلے میں اپنے اوپر مختلف طرح کی پابندیاں عائد کرلینا، مثلاً فلاں شرط پوری ہوجائے جب ہی کھانا کھاؤں گا وغیرہ، چھ پسندیدہ اشیاء یعنی گھی، دودھ، دہی، شکر، نمک، تیل میں سے درجہ بدرجہ ایک ا ایک سے زائد کو ترک کرتے رہنا۔ تنہا مقام پر جہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو بیٹھنا اور سونا جسم کو اس وقت تک تکلیف دینا جب تک کہ حواس نہ مختل ہونے لگیں، شامل ہیں۔

2۔ چھ باطنی ریاضتیں۔ اس میں مختلف نوع کے کفارے، جین مت کی مقدس ہستیوں کے لیے جذبہ عقیدت اور محبت کی پرورش، جین ولیوں اور بزرگوں کی خدمت، مقدس کتابوں کا مطالعہ، جسم اور اس کے متعلقات سے بے نیازی پیدا کرنا اور مراقبہ میں مکمل یکسوئی حاصل کرنے کی کوشش کرنا، شمار کئے جاتے ہیں۔

یہاں یہ ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جین مت میں گرہست اور سادھو دونوں طرح کے طبقات میں ایک واضح حد فاصل اور بنیادی فرق، جیسا کہ بدھ مت اور کیتھولک عیسائیت میں ہے نہیں معلوم ہوتا یعنی گرہست اور سادھو میں صرف جین مت کے اصولوں پر شدت یا نرمی کے ساتھ عمل کرنے کا فرق ہے، اصولوں کی نوعیت میں فرق نہیں ہے۔ چنانچہ جو قوانین اور اصول ہم نے سادھوؤں کے ضمن میں بیان کئے ہیں، وہ گرہست لوگوں کے لیے بھی اتنے ہی مفید سمجھے جاتے ہیں اور جو گرہست ان پر جتنا ہی عمل کرے اتنا ہی قابل تحسین سمجھا جاتا ہے۔ البتہ گرہست لوگوں کے حالات کے پیش نظر ان کو بہت سے معاملات میں رخصت مل جاتی ہے جبکہ سادھوؤں کو ان اصولوں پر شدت کے ساتھ عمل کرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت ہر گرہست کے لیے تجویز کردہ ضابطہ اخلاق میں شامل ہے کہ وہ مہینے کے مخصوص دنوں یا بعض اوقات میں کچھ عرصے کے لیے ایک سادھو کی طرح زندگی گزارے۔

جین مت کا ارتقا اور فرقہ بندی

اگرچہ جین عقیدہ کے مطابق، اور بعض تاریخی حوالوں سے مہاویر جین (۵۲۷ - ۵۹۹ ق م) سے پہلے جین مذہب کا وجود ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ مہاویر جین سے پہلے جین مذہب مشرقی ہندوستان کی ریاست مگدھ میں محدود ایک مقامی مذہبی فقہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس بات کے کئی شواہد موجود ہیں کہ علاوہ جین مت کی اصلاح اور تنظیم کے مہاویر جین نے جین مذہب کی اشاعت اور تبلیغ کا کام نمایاں طور پر سرانجام دیا۔ ان کی کوششوں سے جین مذہب علاوہ مگدھ کے پاس پڑوس کی ریاستوں کے، مغرب میں بنارس تک ایک مقبول مذہب بن گیا۔ ۵۲۷ ق۔م میں مہاویر جین کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں نے اس تبلیغی جذبہ کو باقی رکھا اور جلد ہی جین مت منڈا سر اور اجین تک پہنچ گیا اس سلسلے میں چوتھی صدی قبل مسیح کے نصف آخر میں مہاویر جین کے بعد جین مت کے آٹھویں سربارہ بھدرا بھو (وفات ۲۹۷ ق م) کی شخصیت کو کافی اہمیت دی جاسکتی ہے۔ سوئتامبر فرقہ کی روایت کے مطابق بھدرا بھو نے تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں نیپال تک کا سفر کیا اور ان کا دور جین مت کی اشاعت کے لیے کافی اہمیت رکھتا ہے دوسری طرف دگامبر فرقہ کے نزدیک اپنے زمانہ میں شمالی مغربی ہندوستان میں ایک زبردست قحط کے نتیجے میں بھدرا بھو نے اپنی ماتحتی میں بارہ ہزار جین سادھوؤں کے ساتھ جنوبی ہندوستان کا رخ کیا اور میسور ریاست میں شرون بیلگولا کے مقام پر جین مت کا جنوبی مرکز قائم کیا۔ اس کے بعد سے جین مت کی اشاعت جنوبی ہندوستان میں بھی شروع ہوگئی۔ دوسری طرف صدی قبل مسیح میں مشرقی ہندستان میں اڑیسہ کے حکمراں راجہ کھارویل نے جین مت قبول کرلیا تھا اور اس نے اس مذہب کی اشاعت اور ترقی کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ اس ضمن میں اشوک کے پوتے راجہ سمپراتی کا بھی نام لیا جاتا ہے جس نے جین مت قبول کرکے اس کی ترقی کے لئے اسی طرح سرگرمی دکھائی جیسے اس کے دادا اشوک نے بدھ مت کی اشاعت کے لئے کوششیں کی تھیں۔

پہلی صدی قبل مسیح میں مشہور جین رہنما کلک اچاریہ کی ماتحتی میں جین مت مغربی ہندوستان میں اپنے قدم استوار کرنے میں کامیاب ہوگیا اس سلسلے میں یہ روایات مشہور ہے کہ کلک اچاریہ نے مغربی ہندوستان کے راجہ گندا بھیل سے بدلہ لینے کے لیے، جس نے کلک اچاریہ کی سادھو بہن کو اغوا کرلیا تھا۔ ہندوستان کے شمال مغرب میں موجود شاک وحشیوں کو گندا بھیل کی حکومت پر حملہ کرنے کے لیے مدعو کیا جس کے نتیجہ میں شمالی مغربی ہندستان اور گجرات پر شاک حکومت قائم ہوگئی۔ بعد کے کئی شاک راجہ جین روایت میں جین مت سے متاثر اور اس کے بہی خواہ بتائے جاتے ہیں بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ گپت خاندان کے دور حکومت (۳۲۰۔ ۶۰۰) تک باوجود گپت راجاؤں کی رواداری اور بہی خواہی کے جین مت خود اپنے پرانے وطن مگدھ اور مشرقی ہندوستان کی بہ نسبت ہندوستان کے وسطی اور مغربی علاقے میں زیادہ مقبول تھا۔

گپت خاندان کے زوال کے بعد سے جب شمالی ہندوستان کی سیاسی وحدت ہرش وردھن کے دور حکومت کو چھوڑ کر) آنے والی چھ صدیوں کے لیے پارہ پارہ ہوگئی تو جنوب میں کئی طاقت ور، اور سیاسی و تہذیبی لحاظ سے اہم حکومتوں کا دور شروع ہوا چھٹی صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی تک جنوبی ہندوستان کی ان ریاستوں میں سے کئی ایک، مثلاً گنگا، گڈمبا، چالوکیہ وار راشٹرکوٹ وغیرہ کے حکمراں خاندانوں نے پرجوش طریقے سے جین مت کی سرپرستی فرمائی گپت خاندان کے زوال کے بعد سے شمال میں مسلم حکومت کے قیام تک کا یہ دور جنوبی ہندستان میں جین مت کے عروج کا دور ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی اور اس کے بعد جنوب مغرب سے جینی اثرات گجرات میں داخل ہوئے اور مختلف حکمراں خاندانوں کی زیر سرپرستی؛ گجرات میں اور پھر راجستھان میں جین مت نے ایک بار پھر ترقی کی منزلیں طے کرنی شروع کیں۔ اس دور میں اس علاقے میں سوتامبر فرقہ کے کئی مذہبی رہنما اور عالم مثلاً ہری بھدر اسوری، اودیوتنا سوری دون دیو اور ابھیا دیو وغیرہ پیدا ہوئے جنھوں نے جین مت کی مذہبی فکری، ادبی اور روحانی ترقیوں کو چار چاند لگا دیئے۔ گجرات کے

علاقے میں جین مت کی ترقیوں کا سب سے زریں دور گیارہویں صدی کے بعد سے گجرات کے چالوکیہ خاندان کے دور حکومت میں شروع ہوتا ہے جبکہ سدھ راج اور کمار پال جیسے حکمرانوں کی زیر سرپرستی اور ہیم چندر جیسے مذہبی عالم کی رہنمائی میں جین مت تمدنی اور علمی اعتبار سے اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔

مسلم دور حکومت میں جین مت کی صورت حال ہند روایت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہی۔ اسلام جیسے بالکل مختلف المزاج او ربرعکس عقائد پر مبنی تمدن اور تہذیب کے ماننے والوں کی سیاسی بالادستی نے جس طرح ہندومت میں تقلید ، اور اپنے خول میں ٹھٹھر جانے کے رجحانات کو فروغ دیا ۔ تقریبا یہی صورت حال جین مت میں بھی نظر آتی ہے ۔ اس صورت میں اگر کچھ استثنا ہے تو ہندو مت ہی کی طرح جین مت میں وہ اصلاحی تحریکیں ہیں جنہوں نے غالبا اسلامی عقائد کے زیر اثر بت پرستی کی مخالفت کی یا اپنے دینیاتی نظام میں مذہبی کتابوں کی تقدیس کی خصوصی اہمیت کا تصور پیش کیا۔

ڈاکٹر محسن عثمانی

عیسائیت ۔ ایک مطالعہ

دنیا کے مذاہب میں ایک اہم اور بڑا مذہب عیسائیت ہے ۔ ہر خطہ ارض پر اس مذہب کے ماننے والے موجود ہیں ۔ ہندوستان میں بھی ان کی بڑی آبادی ہے اور ہر جگہ عیسائیوں کے گرجا موجود ہیں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے ۔

" وہ مذہب جو اپنا انتساب ناصرہ کے رہنے والے یسوع کی طرف کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب مسیح مانتا ہے ۔"

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس میں عیسائیت کی تعریف زیادہ مفصل ہے ۔

" عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے وہ کائناتی تاریخی مذہب ہے ۔ یہ توحید اور کفارہ پر ایمان رکھنے والوں کا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کردیا گیا ہے "۔

تاریخی مذہب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس مذہب کے لوگوں کا ایمان حضرت عیسیٰ پر ہے جن کی شخصیت تاریخی شخصیت ہے اور کائناتی مذہب سے مراد یہ ہے کہ یہ مذہب خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے بلکہ عالم گیر مذہب ہے ۔ تثلیث کے عقیدہ کے باوجود چونکہ ایک خدا کا عقیدہ بھی موجود ہے اسی لئے اسے مذہب توحید کہا گیا ہے ۔کفارہ پر عقیدہ عیسائیت کا لازمی جزء ہے ۔ عیسائیت کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا اور

بندے کا تعلق گناہ آدم کے نتیجہ میں خلل پذیر ہوگیا تھا اس تعلق کو پھر سے قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مسیح کو مصلوب کیا جائے ۔ چنانچہ اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے کفارہ ادا کردیا اور اس طرح سے خدا اور بندہ کا تعلق پھر سے استوار ہوا ۔

عیسائیوں میں خدا کے وجود کا عقیدہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اسلام میں ہے ۔ یہ خدا تمام صفات سے متصف ہے ۔ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے اسے محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن پورے طور پر اس کا ادراک کرنا چشم سر سے ممکن نہیں ہے ۔ اس کی تفصیلات انسان اس قدر جان سکتا ہے جس قدر خود وحی الٰہی آگاہ کرے ۔ خدا کے وجود کی حد تک عیسائیت کا عقیدہ جتنا صاف ہے ۔ توحید کے بارے میں اسی قدر پیچیدہ اور مشکل ہے۔ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم سے مرکب ہے ۔ باپ بیٹا اور روح القدس ۔ اس پیچیدگی کا احساس صرف غیر عیسائی دُنیا کو نہیں بلکہ عیسائی علماء کو بھی ہے اور اس عقیدے کی بے شمار تشریحیں اور تاویلیں کی گئی ہیں اور ناقابل فہم حقیقت کو قابل فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اور بہت سے علماء عیسائیت نے پھر یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ تثلیث اگرچہ حقیقت واقعہ ہے مگر انسانی سمجھ سے بالاتر ہے ۔ تثلیث کے بارے میں بھی یہ اختلاف ہے کہ اقانیم ثلاثہ باپ بیٹا کنواری مریم ہیں یا باپ بیٹا اور روح القدس ۔ اس بارے میں بے شمار مسلک ہیں کہ ہر اقنوم کی انفرادی حیثیت کیا ہے اور ہر اقنوم کا مجموعہ اقانیم سے کیا تعلق ہے ۔ کیا ان میں ہر ایک بذاتہ ویسا ہی خدا ہے جیسا کہ ان اقانیم کا مجموعہ خدا ہے ۔ ہر اقنوم مجموعہ اقانیم سے کمتر ہے یا برابر ہے ۔ الغرض تثلیث کا عقیدہ بے حد پیچیدہ ہے ۔ اور اس کی تشریح سیکڑوں بار کرنے کی کوشش کی گئی ۔ بے شمار مسلک پیدا ہوئے اختلافات نے جنم لیا اور ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل کی گئی ۔ تثلیث کی جو زیادہ مقبول عام تشریح ہے وہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے ۔

" تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے ۔ تین یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے ۔ اس لئے کہ عیسائی نظریہ کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے

ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کردی ہے کہ ہم ان کو تین آقا اور تین خدا سمجھنے لگیں"۔

عیسائیت کی اس تثلیث میں خدا بیٹے اور روح القدس کی اصطلاحات بہت اہم ہیں اور ہر ایک کی تشریح میں پورا لٹریچر موجود ہے۔ باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ عیسائیت کے لٹریچر میں یہ تشریح بھی ملتی ہے کہ باپ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے بیٹے کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت بھی گزرا ہے جس میں باپ موجود تھا لیکن بیٹا نہیں تھا۔ یہ ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے۔ باپ کی طرح بیٹا بھی ازل سے موجود ہے۔ ان میں سے کسی کو زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔ بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام ہے لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام سے مختلف ہے۔ انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی حقیقی اور جوہری وجود نہیں رکھتی ہے اس لئے انسان کے کلام کو انسان کا بیٹا نہیں قرار دیا جاسکتا ہے لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے اور اس کا حقیقی وجود ہے اس لئے اس کو حقیقتاً نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے۔ یہ صفت کلام باپ کی طرح حقیقی اور جاودانی ہے خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کرگئی تھی جس کی وجہ سے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

تثلیث کے عقیدہ میں باپ اور بیٹے کی اصطلاحات کی طرح روح القدس کی اصطلاح بھی مشکل اور عقدہ لاینحل ہے۔ روح القدس سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے۔ یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم و کلام (بیٹے) سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک حقیقی اور جوہری موجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاوداں ہے اور اسے بھی ایک مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

عقیدہ تثلیث کے بارے میں جو سب سے بڑا اشکال ہے وہ یہ ہے کہ جب باپ بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا اور ہر ایک مستقل بالذات وجود تسلیم کرلیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا اس طرح خدا ایک کے بجائے تین ہو گئے۔

اس اشکال کو صرف عیسائیت کے مخالفین نے نہیں اٹھایا بلکہ خود عیسائیوں میں یہ ایک چیستاں اور معمہ بنا رہا ہے جس کو بے شمار طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی گئی جس نے شدید اختلافات کو جنم دیا لوگوں کو اختلافی تشریحات کی وجہ سے سزا اور جسمانی تعذیب کا شکار ہونا پڑا۔ لیکن ایسا معقول جواب جس پہ کوئی اشکال وارد نہ ہوسکے آج تک نہیں مل سکا۔ عیسائیت میں ایسے فرقے پیدا ہوئے جن کو بدرجہ مجبوری یہ کہنا پڑا کہ حضرت مسیح کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے اس لیئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے۔ وہ خدا کی شبیہ تھے وہ خدا کی اخلاقیات کا عکس جمیل تھے لیکن ایسا نہیں تھا کہ وہ ایسے ہی خدا تھے جیسا کہ باپ خدا ہے۔ لیکن کلیسا کے لئے تثلیث کی یہ تشریح قابل قبول نہیں تھی۔ اس نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے خلاف الحاد (HERETIC) کا فتویٰ دیا۔ کچھ لوگوں نے درمیانی موقف اختیار کیا اور یہ کہا کہ مسیح کی خدائی سے انکار نہ کیجئے لیکن شرک کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہ تھے بلکہ ان کی خدائی باپ کی بخشی ہوئی تھی۔ اس لئے بالذات خدا صرف باپ ہے لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی اپنی جگہ پر درست ہے۔ لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے لئے قابل قبول نہ تھا وہ بیٹے کو بھی باپ کی طرح بالذات خدا ماننا تھا۔ اس لئے اس نظریہ کے ماننے والوں کو بھی ملحد قرار دیا گیا ایک دوسرے فرقہ پیٹری پیشن (Patripassian) نے مشکل تثلیث کو حل کرنے کی دوسری ترکیب نکالی اس نے کہا باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں جن کے الگ نام رکھ دیے گئے ہیں اس فرقہ کا کہنا ہے کہ خدا در حقیقت باپ ہے جو قدیم اور غیر فانی ہے۔ اس کو انسانی عوارض لاحق نہیں ہوسکتے لیکن اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کرسکتا ہے اور انسان کے روپ میں آسکتا ہے یہاں تک کہ وہ چاہے تو لوگوں

کے سامنے مر بھی سکتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی ایسی ہی مرضی ہوئی وہ یسوع کا روپ دھار کر دنیا والوں کے سامنے آگیا۔ یہودیوں نے اس کو تکلیفیں پہونچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی پر چڑھا دیا۔

تثلیث کا عقدہ لاینحل آج تک سلجھ نہ سکا۔ اگرچہ کوشش جاری ہیں اور اب بعض پادری صاحبان یہ کہتے ہیں اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان جس طرح قرآن میں متشابہات کے قایل ہیں جن کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس طرح تثلیث بھی متشابہات میں ہے جس کے حقیقی علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن یہ محض مطالعہ ہے کیونکہ قرآنی متشابہات کو عقل سے ماوراء تو کہا جاسکتا ہے لیکن مخالف عقل نہیں کیا جاسکتا جبکہ تثلیث کے عقیدہ میں صراحتا توحید اور شرک دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو خلاف عقل ہے۔ اس کے علاوہ متشابہات جو قرآن میں ہیں وہ چیزیں ہیں جن کا دین کی اساسیات سے تعلق نہیں ہے جبکہ تثلیث کا عقیدہ مذہب عیسائیت کی اساس ہے۔

کھلے ہوئے تضاد کے باوجود عقیدہ تثلیث کو منوانے اور ذہن کو اس کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوششوں کا سلسلہ صدیوں کی زمانی مسافت کو محیط ہے۔ توحید فی التثلیث کو ثابت کرنے کی کوشش میں کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے وہ مادی اجزاء سے مرکب وجود نظر آتا ہے جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں۔ ہڈی گوشت اور خون ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے۔ اگر ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو جسم کی تکمیل محال ہے۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح انسانی وجود گوشت ہڈی اور خون کے تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح اللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے۔ یہ سب باتیں سمجھانے کے لئے کہی جاتی ہیں حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا بلکہ مستقل بالذات وجود قرار دیتا ہے۔ اگر گوشت و خون اور ہڈی کو بھی مستقل وجود مانا جائے گا۔ تو ہر وجود انسان کہلانے کا مستحق ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

باپ یسوع ابن مریم کے انسانی وجود میں حلول کر گیا ۔ حلول اور تجسم کا عقیدہ عیسائیت کا مرکزی عقیدہ ہے ۔ مذہب عیسائیت میں اس بات کو بھی مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا اور انسان کا اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کردی جائے ۔ یا جیسے آئینہ میں انسان کی شکل منعکس ہوجائے ان دونوں مثالوں میں ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی گئیں اسی طرح سے اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کرگیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں پائی جاتی تھیں ایک خدا کی اور ایک انسان کی لیکن عیسائیت کا مقبول عام عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرت عیسی خدا تھے نہ کہ انسان ۔ رد عمل کے طور عیسائیت میں اس عقیدہ سے بغاوت بھی ہوئی ہے اور بہت سے لوگ یہ کہتے رہے ہیں کہ حضرت عیسی مخلوق اور انسان تھے ، خدا نہ تھے ۔

عیسوی مذہب کا ایک اہم عقیدہ مصلوبیت مسیح ہے یعنی یہودیوں نے حضرت مسیح کو سولی پر چڑھادیا تھا جس سے ان کی وفات ہوگئی ۔ لیکن عیسائیوں کے اکثر فرقہ کے نزدیک پھانسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی جو ان کے نزدیک خدا ہے بلکہ اقنوم ابن کے انسانی مظہر حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی تھی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں بلکہ ایک مخلوق ہیں ۔ البتہ عیسائیوں میں ایک فرقہ ایسا ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ خود خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا ۔ یہ عقیدہ پیٹری پیشین فرقہ کا ہے ۔ عقیدہ مصلوبیت کی وجہ سے صلیب کے نشان کو عیسائیوں کے یہاں تقدس کا درجہ حاصل ہے ۔ چوتھی صدی عیسوی سے اس نشان کو تقدس کا درجہ حاصل ہوا جب شاہ قسطنطین نے ۳۱۲ ء کو آسمان پر صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا پھر ۳۲۶ ء کو سینٹ ہیلینا کی والدہ کو وہ صلیب ملی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ یہی وہ صلیب ہے جس پر حضرت عیسی علیہ السلام کو سولی دی گئی ۔ اس کے بعد سے صلیب عیسائیت کا نشان اور شعار بن گیا جس کو وہ اپنی ہر نشست و برخواست میں استعمال کرتے ہیں حضرت عیسی السلام کی مصلوبیت کا ذکر چاروں انجیلوں میں موجود ہے البتہ صرف ایک انجیل ایسی ہے جسے انجیل برنا باس کہتے ہیں جس میں صراحت کی گئی ہے کہ حضرت عیسی کو سولی نہیں دی گئی بلکہ

ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی کو سولی دی گئی جو غالباً حضرت عیسی سے مشابہ تھا اور جس نے حضرت عیسی کی صلیب خود اٹھا لی تھی ۔ ہزاروں کے ہجوم میں اور نیم تاریکی کی حالت میں لوگوں کی بھیڑ نے اس کو یسوع مسیح سمجھ کر پھانسی پر لٹکا دیا اور حضرت مسیح بھیڑ میں غائب ہوگئے ۔ انجیل برناباس کا یہ بیان قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہے جس میں کہا گیا ہے ۔ "وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم " لیکن عیسائی برنا باس کی انجیل کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ برنا باس کی انجیل کا نسخہ چند سو سال پہلے دریافت ہوا تھا۔

عیسائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسی کو سولی دی گئی اس کے بعد ان کو قبر میں دفن کیا گیا۔ تیسرے دن وہ زندہ ہوگئے اور اپنے حواریوں کے پاس گئے ۔ انہیں ضروری تعلیمات سے نوازا اس کے بعد آسمان پر تشریف لئے گئے ۔ دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ اپنی تفصیلات کے ساتھ انجیل میں موجود ہے ۔ یہ واضح رہے کہ انجیل اپنی موجودہ شکل میں صرف وحی آسمانی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ملفوظات اور تاریخ کا مجموعہ ہے جس میں مصلوبیت مسیح کے بعد کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان واقعات کی روایت نہ حضرت مسیح کرسکتے ہیں اور نہ ان کا تعلق وحی سے ہوسکتا ہے ۔ اگر یہ وحی ہوتی تو حضرت عیسی پر نازل ہوتی تو مصلوبیت اور حیات ثانیہ کا تعلق پیشن گوئی سے آتا۔ لیکن انجیل روایات کا مجموعہ ہے ۔ اور اس حقیقت کو عیسائی علماء اوز مستشرقین تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انجیل قرآن کے بجائے حدیث کے طرز کی کتاب ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام دونوں کے اقوال ہیں فرشتے انہیں لے کر نہیں آے ۔ اصل انجیل میں ان روایات کو شامل کرلنے کے بعد انجیل کی حیثیت خالص آسمانی کتاب کی باقی نہ رہ سکی۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے جس کا اعتراف عیسائی بھی کرتے ہیں ۔ اگر یہ خالص آسمانی کتاب ہوتی تو انجیلوں میں حضرت عیسی کے بعد ان کے حواریوں اور شاگردوں کے اقوال نہ جمع کئے جاتے ۔ چاروں انجیلیں اسی لئے ایک دوسرے سے مختلف ہیں ابتداء اور انتہا کا فرق ہے ۔ بیانات کا بھی فرق ہے ۔ جس طرح سے بخاری اور مسلم اور ترمذی اور موطا امام مالک

الگ الگ تصنیفات میں بہت سی مشترک حدیثوں کے باوجود ان میں باہم اختلاف بھی ہے۔ یہی حال انجیلوں کا بھی ہے۔ اس لئے انسانی آمیزش کے بعد انجیل کی حیثیت اب قرآن کے برابر نہیں رہی۔

عیسائی عقائد میں ایک بہت اہم عقیدہ کفارہ (Atonement) کا عقیدہ ہے تثلیث کے عقیدہ کے مانند اس میں پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس عقیدہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت سے قریب ہوجاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسانی خدا کی رحمت سے دور ہوگیا تھا۔ دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام اس لیئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کردے"۔

اس عقیدہ کی بنیاد یہ ہے کہ جب حضرت آدم کی تخلیق کی گئی تو جنت کی راحتوں سے ان کو نوازا گیا اور ان کو بے کراں نعمت عطا کی گئی۔ ان کو قوت ارادی بخشی گئی۔ ہر طرح کی عافیت اور نعمت ان کو دی گئی البتہ گندم کا ایک شجر ممنوعہ تھا جس کو ہاتھ لگانے سے روکا گیا تھا۔ حضرت آدم نے اپنی قوت ارادی کا غلط استعمال کیا اور شیطان کے بہکانے سے معصیت سے باز نہ رہ سکے۔ یہ ایک بڑی نافرمانی تھی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اور تاریخ انسانی کا پہلا گناہ تھا جس سے انسانیت کا دامن داغ دار ہوگیا اور آدم کی نسلیں اس گناہ کی وارث بنیں۔ حضرت آدم کا گناہ اللہ کی شان میں گستاخی بھی تھا۔ اس کے ساتھ یہ انسان کا قتل بھی تھا کیونکہ انسان اس گناہ کی وجہ سے موت اور قتل کی سزا کا مستحق ہوا۔ اس گناہ کو سرقہ اور حرص وطمع بھی قرار دیا جاسکتا ہے الغرض یہ ایک گناہ گناہوں کا مجموعہ تھا سزا کے طور پر انسان موت کا مستحق تھا۔ ابن آدم سے اس کی قوت ارادی چھین لی گئی۔ خدا کی رحمت سے محروم ہونے بعد انسان میں اور بھی گناہ کے جذبات پیدا ہوگئے۔ موت اور مصلوبیت کی سزا کے بغیر ابن آدم کی قوت ارادی بحال نہیں کی جاسکتی تھی نیکی کے سرانجام دینے کی آزادی اس وقت ممکن ہے جب

گناہ کی قید سے ابن آدم کو رہا کر دیا جائے اور یہ رہائی ممکن نہیں جب تک کہ موت کی سزا نہ مل جائے ۔ انسان کی سرشت میں گناہ شامل ہوگیا تھا۔ گناہ آدم نے گناہ کو ابن آدم کی طبیعت ثانیہ بنا دیا تھا گناہ ایک وبائی مرض بن کر دلوں میں اور دماغوں میں جاگزیں ہوگیا۔ ہستی آدم کے ساتھ آدم کی پوری نسل گناہ سے آلودہ اور اس میں ملوث ہوگئی ۔ اس مصیبت عظمی سے نجات مغفرت الہی سے مل سکتی تھی لیکن یہ بات خدا کے عدل کے خلاف تھی اور خدا عادل اور منصف بھی ہے اگر موت کی سزا دیے بغیر انسان کو معاف کردے تو یہ اس کے قانون عدل کے منافی ہوگا۔ لیکن دوسری طرف خدا کی ذات رحمت و محبت کا بحر بے کراں بھی ہے ۔ وہ اپنے بندوں کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا ہے ۔ تقاضائے رحمت اور قانون عدل دونوں کے امتزاج کا تقاضہ یہ ہے کہ ابن آدم کو پہلے موت کی سزا ہو اور انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے اور نیکی کرنے کی قوت ارادی کو بحال کیا جائے اور سرشت سے گناہ کو نکال دیا جائے ۔ لیکن تمام ابن آدم کو موت میں مبتلا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا بھی قانون فطرت کے مطابق نہیں تھا اس لیئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص ہو جو تمام انسانوں کے گناہوں کے بوجھ کو اٹھالے خدا اسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کردے اور سزا تمام انسانوں کے لیے کافی ہوجائے ۔ اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے بیٹے کو چنا اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا اس نے یہ قربانی پیش کی خود سولی پر چڑھ کر مرگیا اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہوگئی ۔ اور تمام انسانوں کا اصل گناہ معاف ہوگیا ۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے اور اس ایمان کی علامت بپتسمہ کی رسم ادا کرنا ہے ۔

جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لاکر بپتسمہ لیا ہے ان کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ جتنے چاہیں گناہ کریں انہیں سزا نہیں ملے گی ۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ان کا اصلی گناہ معاف ہوگیا جو دائمی عذاب کا متقاضی تھا۔ اصل گناہ کے معاف ہوجانے کی وجہ سے انہیں نئی زندگی مل گئی ہے اور وہ نیکی کرنے کے لئے قوت ارادی کے مالک ہوگئے ہیں ۔ اگر بپتسمہ لینے کے بعد وہ

لوگ ایسا گناہ کریں جو ان کو ایمان سے خارج کردے تو پھر وہ دائمی عذاب کے مستحق بن جائیں گے اور یسوع مسیح کا کفارہ ان کے لئے کافی نہیں ہوگا چرچ جن کو ملحد (Heretic) ٹھہرادے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں عیسائیت میں ایسے لوگ بھی ملتے رہے ہیں جنہوں نے کفارہ کے عقیدہ کا انکار کیا اور ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ بات خلاف عقل ہے کہ گناہ کوئی کرے اور اس کی سزا کے مستحق اس کی نسل ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا جب غفور رحیم ہے تو وہ توبہ کرنے والے کی توبہ کیوں نہ قبول کرے اور مغفرت کو خلاف عدل کیوں قرار دیا جائے لیکن کفارہ کے عقیدے کے منکروں کے لئے کلیسا کی طرف سے مذہب سے انحراف کا الزام لگایا گیا۔

بپتسمہ کی رسم جس سے انسان عیسائیت میں داخل ہوتا ہے ایک قسم کا غسل ہے ۔اس کے بغیر کوئی شخص دین عیسائیت نہیں اختیار کرسکتا ہے ۔اس رسم کی پشت پر بھی کفارہ کا عقیدہ کار فرما ہے ۔ جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں وہ پہلے ایک جبوری دور سے گزرتے ہیں جس میں وہ عیسائیت کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں اس کے بعد بپتسمہ کی رسم عمل میں آتی ہے ۔ عیسائیت میں داخل ہونے والے امیدوار کو ایک خاص کمرہ میں اس طرح لٹایا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ " اے شیطان میں تجھ سے دست بردار ہوتا ہوں " پھر وہ مشرق کی طرف رخ کرکے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے اس کے بعد اس کے تمام کپڑے آتار دے جاتے ہیں اور ایک دم کئے ہوئے تیل پر اس کے پورے جسم کی مالش کی جاتی ہے اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈالا جاتا ہے اور بپتسمہ دینے والے پادری یا کلیسا کے لوگ اس سے تین سوال کرتے ہیں کیا وہ باپ بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے ہر سوال کے جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں ۔اس سوال و جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے اوراس کی پیشانی کان ناک اور سینہ پر دم کئے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنادئے جاتے ہیں۔ یہ ایک رمز و علامت ہے اس بات کی کہ شخص اب گناہوں سے پاک و صاف ہوگیا ہے ۔ اس رسم

کے بعد عشاء ربانی کی رسم میں پہلی بار شریک ہوتا ہے۔ کلیسا میں کچھ دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور نغمے سنائے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس پادری اس کو لے کر باپ بیٹے اور روح القدوس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں اسی عمل سے عیسائیت کے عقیدہ کے مطابق روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں اس کو عشاد ربانی (Sacred Meal) کہتے ہیں۔ عقیدہ یہ ہے کہ جب پادری دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندہ جاوید اقنوم ہے روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے اور انہیں بدن اور خون میں تبدیل کردیتا ہے اس عقیدہ پر بھی اشکالات ہیں چنانچہ جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا تو اس نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

عہد نامہ جدید جو خصوصا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر مشتمل ہے حضرت عیسیٰ کی مزعومہ مصلوبیت کے بہت بعد مرتب ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بعد عیسائی عہدنامہ قدیم کی پیروی کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے نام پر جو انجیلیں مرتب ہورہی تھیں ان کی تعداد ۷۰ ۲ تک پہونچ گئی تھی۔ غیر یہودیوں کے اس مذہب میں داخلہ کے ساتھ بہت سے فرقے پیدا ہوئے۔ ہر فرقے کے پاس ایک انجیل تھی۔ ۳۲۵ عیسوی کے بعد ان بے شمار انجیلوں میں سے ایک مذہبی کونسل نے چار انجیلوں کا انتخاب کیا۔ موجودہ عہدنامہ جدید چار انجیلوں پر مشتمل ہے۔ انجیل متی (Mathew) انجیل مرقس (Mark) انجیل لوقا (Luka) انجیل یوحنا (John) ان اناجیل اربعہ کے علاوہ کچھ رسالے اور کچھ خطوط اس مجموعہ میں شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد ۲۲ ہے۔ ان انجیلوں میں بہت سی آیات ایک دوسرے کی مشابہ ہیں لیکن بیان میں اور ترتیب میں فرق ہے۔ مصنفین کے اختلاف کی وجہ سے مضمون و بیان میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔ ترتیب بھی الگ الگ ہے۔ خود عیسائی اعتراف کرتے ہیں کہ عہد نامہ جدید کی ستائس کتابوں سے پانچ تاریخی ہیں یعنی چار

انجیلیں اور کتاب اعمال ۔ اکیس کتابیں اعتقادی ہیں اور غیر مستند ہیں ۔ سولھویں صدی میں رومن کیتھولک پوپ کے خلاف بغاوت شروع ہوئی یہ بغاوت رومن کیتھولک پادری ۔ مارٹن لوتھر نے شروع کی تھی ۔ باغیوں کی جماعت پروٹسنٹ کے نام سے مشہور ہوئی مارٹن لوتھر نے بائبل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور ڈیڑھ ہزار سال سے مستند اور مسلم مانی جانے والی بائبل کی کچھ کتابوں کے متعلق دعوی کیا کہ یہ کتابیں بے آمیز نہیں ہیں بلکہ اس میں تحریف کی گئی ہے ۔ ان رسالوں اور کتابچوں کو اس نے بائبل سے خارج کردیا اور اس طرح ایک بائبل سے دو بائبلیں وجود میں آگئیں ۔ ایک کیتھولک کی بائبل دوسرے پروٹسٹنٹ کی بائبل ۔ کوئی بائبل ایسی نہیں ہے ۔ جس کے پورے متن پر اور ترجمہ پر سب کا اتفاق ہو ۔ یہی وہ کتاب مقدس ہے جسے عیسائی مشنریاں دنیا میں پھیلاتی ہیں ۔ انسانی آمیزش کے نتیجہ میں اس کتاب مقدس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن سے انبیاء کرام کی عظمت اور عصمت دونوں مجروح ہوتی ہے ۔

عیسائی عقائد میں جن کی بنیاد موجودہ بائبل پر ہے تثلیث کا عقیدہ سب سے اہم ہے ۔ عقائد میں یہ باتیں بھی شامل ہیں کہ حضرت آدم اور حوا کا گناہ معاف نہیں ہوا اس لئے ہر بچہ پیدائشی گناہ گار ہے ۔ تمام بنی نوع انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہیں ۔ حضرت مسیح بنی آدم کی نجات کے لئے کفارہ بن کر آئے ۔ حضرت مسیح پر ایمان لانے سے ہی نجات ہوسکتی ہے ۔ اللہ نے گناہ کو معاف کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھایا ۔ بغیر درمیانی واسطہ یعنی پادری وغیرہ کے خدا تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے ۔ راہبانہ زندگی بزرگی کی حامل ہوتی ہے ۔ آخرت کا عقیدہ بھی عیسائیت میں موجود ہے ۔ قیامت کے قریب حضرت عیسی کی دوبارہ تشریف لانے کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے ۔

کلیسا کے کچھ اپنے احکامات بھی ہیں جن کی پابندی ہر اچھے اور سچے عیسائی کو کرنی چاہئے اور وہ یہ کہ ہر اتوار کو اور عیدوں کے موقعہ پر کلیسا میں حاضر ہونا چاہئے ۔ خاص خاص دنوں میں روزہ رکھنا چاہیئے ۔ ایک سال میں کم از کم ایک بار پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا چاہیئے کیونکہ اعتراف سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں ۔ پادری کو گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ۔ مسیحیت کے پاسبانوں اور پادریوں کی کفالت اور

معاشی مدد کے احکام بھی کلیسا سے جاری کئے جاتے ہیں کلیسا کے حکموں کی اطاعت خدا ہی کے حکموں کی طرح لازمی ہے۔

عیسائیت اپنی موجودہ شکل میں پولیوس یا پال کی تشکیل کردہ ہے۔ اسی نے عیسائی مذہب کی نئی تعبیر و تشریح کی۔ ایسی تعبیر و تشریح جو یونانی اور رومی مذہب سے میل کھاتی ہے۔ عیسائیت کو عالمگیر بنانے کے لئے پال نے حضرت عیسیٰ کی اصلی تعلیمات کو مسخ کر کے ان میں بت پرستی کی آمیزش کردی۔ معاشرہ اس کے زمانہ میں چونکہ بت پرست تھا اس لیئے خالص توحید کو قابل قبول نہ دیکھ کر اس نے شرک کی آمیزش کردی تاکہ مسیحیت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل سکے۔ معروف مؤرخ برنٹن نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ان پڑھ اور مچھیرے تھے۔ پولیوس رسول یونانی زبان جانتا تھا۔ اس لئے غور و فکر کر کے مسیحیت کو نئے قالب میں ڈھال دیا جس کے بغیر مسیحیت عالمی مذہب نہیں بن سکتی تھی۔ برنوباٹر نے لکھا ہے کہ روما کے بھیڑیے نے ناصرہ کی بکری کی کھال اوڑھ لی اور پولوئیت عیسائیت کی شکل میں نمودار ہوئی۔

پولس کی شخصیت مسیحیت کی تاریخ میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔ عیسائی عقائد اور تعلیمات جو کچھ کہ اب ہیں ان کی بنیاد پولس کے تصورات ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ابتداء میں عیسائیت کا شدید مخالف تھا اور خود اس کے اعتراف کے بموجب وہ یہودی تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے معتقدین کے خلاف ہر ظلم و جور کو روا رکھتا تھا لیکن اس کی زندگی میں اچانک انقلاب آیا اور وہ کلیسائی نظام کا سب سے بڑا معلم اور ترجمان بن گیا۔ کتاب اعمال میں درج ہے کہ ایک دن جب وہ جانب دمشق مسافر تھا اچانک آسمان سے ایک نور چمکا وہ زمین پر گر پڑا اور اس نے آواز سنی کہ اے شاؤل (پولس) تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔ شاول نے پوچھا کہ اے خداوند تو کون ہے، اس نے کہا کہ میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے اور اس طرح چشم زدن میں وہ شخص جو عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن تھا سب سے بڑا دوست اور اس کا شارح اور علم بردار بن گیا۔

اسلام کو مستثنیٰ کر کے دیگر مذاہب کا طرح عیسائیت کا سرچشمہ بھی تاریخی اعتبار سے

قابل اعتبار نہیں ۔ عیسائیت کا ماخذ اناجیل اربعہ کو مانا جائے تو یہ بات مسلم ہے اور خود عیسائی بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان انجیلوں کو نہ تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے املا کرایا تھا بلکہ انہوں نے ان انجیلوں کو دیکھا بھی نہیں تھا ۔ مزید یہ کہ ان انجیلوں کی اصل عبرانی اور یونانی زبان میں تھی اور وہ اصل دنیا سے ناپید ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ صرف وہ انجیل جو حضرت عیسیٰ پہ نازل ہوئی تھی ناپید ہے بلکہ انجیلیں بھی روئے زمین پر نہیں پائی جاتی ہیں جنہیں حواریین نے مرتب کیا تھا ۔ صرف ان کے ترجمے پائے جاتے ہیں ۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ ان انجیلوں کے لکھنے والے غیر معروف لوگ ہیں اور ان کے حالات تاریخ کی روشنی میں نہیں ہیں ۔

عیسائیت کے عقائد کا شبہ خود عیسائی علماء کے اعتراضات سے مجروح ہوچکا ہے ۔ لیکن یہ عقائد وہ ہیں جو موجودہ انجیلوں میں بیان کئے گئے ہیں ۔ لیکن اگر عیسائیت کا ماخذ انجیل برناباس کو مانا جائے یا قرآن مجید کو تو عقائد نکھر کر سامنے آجاتے ہیں ۔ سارے اشکالات اور اعتراضات ختم ہوجاتے ہیں ۔ لیکن عیسائی ان دونوں کو ماخذ نہیں تسلیم کرتے ہیں ۔

کے اس دگل
کننگھم و نیلسن و دیگر
جے ڈی

سکھ مت ۔۔۔۔ ایک مطالعہ

تاریخی اور سیاسی وجوہات سے قطع نظر، سکھ ازم کو بھی ہندوستان کے ان مذاہب کی

فہرست میں شمار کیا جاسکتا ہے ۔ جن کا بین مذہبی تعارف مغربی مصنفین کے ذریعہ ہوا ۔ لیکن اس کا ایک غیر مطلوبہ اثر یہ مرتب ہوا کہ سکھ ازم کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں سامنے آگئیں جو سکھ فرقہ کے اپنے تصورات سے مختلف تھیں مثلاً یہ عام تصور کہ سکھ ازم ابتدائی ایام میں گویا کہ بس اسلام ہی تھا یا سکھوں کے لئے یہ پریشان کن دعوی کہ سکھ ازم دراصل ہندو ازم ہی ہے ۔ حالیہ ایام میں سکھ ازم کے بارے میں خود سکھ فرقہ کی جانب سے بھی کچھ لٹریچر پیش کیا گیا ہے ۔ سردست سکھ ازم کے بارے میں معلوم و شائع آراء کا ایک مختصر خاکہ یہاں پر پیش کیا جا رہا ہے ۔

سکھ مذہب کی بنیاد

اب سے پانچ صدیوں قبل دہلی کے پڑوس میں سکھ ازم کی بنیاد رکھی گئی تھی ۔ لیکن اس وقت کا پنجاب آج کی پڑوسی ریاست پنجاب کے مقابلہ میں خاصا وسیع تھا۔ اس

کی سرحدیں ہمالہ کی ترائی سے افغانی کہساروں اور پانچ دریاؤں کے ملک تک دراز تھیں اور سکھ ازم کے بانی گرونانک کے بقول، کم از کم اس علاقہ کی سیاسی صورت حال یہ تھی " بادشاہ لوگ قصاب ہوگئے تھے، ظلم ان کی چھری تھی۔ احساس ذمہ داری نے پر تول لئے تھے اور ناپید ہوگیا تھا۔ اور سچائی کا چاند کہیں بھی نظر نہ آتا تھا " چنانچہ اس صورت حال کے ازالہ کے لئے گرونانک نے ایک نئے مذہب کی تاسیس کی اور اس مذہب کے بارے میں یہ سمجھنا مشکل ہوگا کہ وہ عملی سیاست سے الگ تھلگ کبھی نہیں رہ سکا۔ البتہ کے ایس دگل کے بقول یہ نیا سیاسی محاذ مغرب کی گوناگوں دلچسپیوں کا سبب بھی بنا۔

" مغرب نے سکھ ازم کے بانی گرونانک میں اس بناء پر دلچسپی دکھائی کہ وہ ہندوستان پر چھا جانا چاہتا تھا اور سکھوں کی رنگا رنگی اور بہادری انہیں اس فرقہ کی طرف مائل کرتی تھی۔ یہ حقیقت ہنوز باقی ہے کہ سکھوں کے زیر حکمرانی پنجاب، برطانوی راج کے سامنے سپر انداز ہونے والوں میں سب سے پیچھے اور برطانوی راج کے خلاف، ہتھیار اٹھانے والوں میں سر فہرست تھا جس کا ثبوت ہے نام دھاریوں کی شروع کی ہوئی جد و جہد جسے تاریخ کے ابواب میں کوکا بغاوت (Revolt Kooka) کے نام سے بیان کیا جاتا ہے " سکھ مصنفین سکھ ازم کی اس روایت کو کبھی فخریہ اور کبھی مدافعانہ انداز میں اپنے مذہب کا ایک وصف بتاتے ہیں۔ ایس ایس سنگھا نے اس امتزاج کی ابتداء سکھ ازم کے چھٹے گرو ہرگروند سنگھ کی روایت میں پائی ہے " ۱۶۰۶ء کے موسم گرما میں گروارجن دیو کے سانحہ مرگ کے بعد ان کے صاحبزادہ اور خلیفہ گروہرگوند سنگھ کو قید کرلیا گیا تھا جس کا سکھوں کے مختصر مگر روز افزوں سماج میں سخت رد عمل ظاہر ہوا غصہ و احتجاج کی عمومی لہر چل پڑی جو سرکاری ذمہ داروں کی چیرہ دستیوں اور مظالم کے خلاف تھی۔ اپنا دفاع خود کرنے کی ضرورت کا شدید احساس پیدا ہوگیا تھا۔ گروہرگروند سنگھ چونکہ عوام کے مزاج کے بارے میں حساس تھے۔ چنانچہ انہوں نے سکھ فرقہ کی فوج بندی کا پروگرام بنایا۔ انہوں نے خود دو تلواریں حمائل کیں جن میں سے ایک گرو کی " میری " (miri سیکولر) اور دوسری روحانی قوت کی نمائندگی کرتی تھی۔ اور انہوں

نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ مستقبل میں اپنے متبعین سے اسلحوں اور گھوڑوں کا نذرانہ قبول کرنے کو ترجیح دیں گے "

لیکن کے ایس وگل نے میکس آر تھر میکالیف کے حوالہ سے یہ اشارہ کیا ہے کہ سکھ عسکریت دراصل برطانوی سامراج کی اختراع تھی میکس آر تھر میکالیف نے بہر حال نہایت عمدہ کام کیا ہے ۔ ان کی تصنیف "سکھ مذہب" (The Sikh Religion) جو ۶ جلدوں پر مشتمل ہے ، دقت نظری کا کام ہے ۔ میکالیف نے سکھ ازم کی جو تشریح کی ہے اس کی تائید ڈوروتھی فیلڈ بھی اپنی کتاب "سکھوں کا مذہب" (The Religion of Sikhs) میں کی ہے ، بہرحال اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کہ ان تمام مطالعوں کا پس پردہ مقصد یہ تھا کہ سکھوں کے عقیدہ اور ان کی روایات کو اچھی طرح سمجھ کر انہیں برطانوی فوج میں وفادار سپاہیوں کی طرح شامل کیا جاسکے ۔ یہاں پر میکالیف کی تصنیف کی دوسری جلد سے ایک اقتباس پیش ہے جو اس بات کا عکاس ہے کہ اس ساری تگ دو کے پیچھے اصل محرک کیا تھا ۔ مالوشاہی نامی ایک سپاہی نے جو ایک مغل آفیسر کا اردلی تھا ، گرو سے ایک ایسی روحانی نصیحت کی فرمائش کی جو اس کی دنیا اور اس کے عقبی میں نافع ثابت ہو ۔ گرو نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر کبھی جنگ کی ضرورت در پیش ہو تو اپنے مالک کی خاطر جنگ کرو اور اس بات کا خیال بھی نہ کرنا کہ اس طرف کے لوگوں کی تعداد اقلیت میں ہے کہ نہیں "

سکھ ازم کے مغربی مطالعوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کے ایس دگل لکھتے ہیں " سکھ مطالعات میں دلچسپی لینے والوں کی تین معروف قسمیں رہی ہیں ۔ ارباب نظم و نسق مستشرقین اور اکیڈمک حضرات ۔ ارباب نظم و نسق یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے یا پھر تاج برطانیہ کی مدنی یا عسکری خدمات انجام دینے والے لوگ جنھوں نے سکھوں کے بارے میں اس غرض سے لکھا کہ پنجاب کے بارے میں سیاسی رویئے طے کرنے میں برٹش لوگوں کو مدد مل سکے اور بعد میں سکھوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی پالیسی طے کر سکیں ۔ ان میں سے کچھ اہم نام ہیں ۔ جیمز براون ، جان میلکورو ، ڈبلیوایچ او سبرن اور ڈبلیوایل میک گریگور ۔ اس کے بعد (عیسائی) مشنریاں تھیں جو استشراقی مطالعات کے

ایک جزو کے بطور سکھ ازم اور اس کے متبعین میں دلچسپی رکھتی تھیں ۔ غالبا ان کی دلچسپیاں عیسائیت کو ہندوستان میں متعارف کرانے کی خاطر زیادہ تھیں ۔ انھوں نے سکھ عقیدہ اور سکھ طرز حیات کے رشیوں کا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے پس منظر میں مطالعہ کیا ۔ تاہم ان کی اصل دلچسپی عیسائیت کی تبلیغ ہی میں رہی ۔ ولیم وارڈ کا پوری دیانت داری کے ساتھ یہ ایمان تھا کہ ہندوستانی عوام بہت خراب تھے ۔ لیکن وہ بھی اپنے بھگوانوں کی عیاریوں کے مقابلہ میں برابر برابر کے نہ تھے ۔ لہٰذا ان کی اخلاقی حالت بہتر بنانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کے بھگوانوں کو بدل دیا جائے ۔

ریکارڈز

" جے ڈی کنگھم نے اس وقت دستیاب ریکارڈز اور زیادہ تر سکھ مذہبی کتب کے اپنے مطالعہ کی بنیاد پر اپنی کتاب " تاریخ سکھاں " (History of the Sikhs) لکھی ہے اس نے سکھ تحریک کو ہندوستانی عوام کی مذہبی تاریخ ، ہندو ازم کے زوال ، ترک حملوں اور راماتند و کبیر وغیرہ کی اصلاحی تحریکوں کے پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اسی روشنی میں اس نے گرونانک کی مساعی کا یہ اندازہ قائم کیا ہے ۔ اصلاحات کے اصولوں کا تصور قائم کرنا اور ان وسیع تر بنیادوں کو استوار کرنا جنھوں نے ان کے خلیفہ گوبند کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اہل ملک کا دماغ اس نئی قومیت کی طرف متوجہ کر سکیں اور اس نظریہ کو عملی شکل دینا کہ نسل اور فرقہ نیز سیاسی حقوق اور مذہبی امنگوں کے لحاظ سے ادنی ترین بھی اعلیٰ ترین کے مساوی ہے یہ کام گرونانک کے لئے مخصوص تھا " یہ بات یہاں پر قابل بحث نہیں ہے کہ راماتند تحریک سے کبیر وابستہ تھے کہ نہیں اور یہ کہ ان دونوں کے بیچ کس طرح کا رشتہ قائم تھا ؟ تاہم تقریبا تمام مصنفین اس بات سے متفق ہیں کہ گرونانک اور سنت کبیر کے پیغامات کا ماخذ ایک ہی قسم کے جذبات ہیں اور یہ دونوں ہی بھگتی تحریک سے منسلک تھے ۔ اس لحاظ سے سکھ ازم کی

ترویج بڑی حد تک بھگتی تحریک کی ہی منت کش کہی جاسکتی ہے جیسا کہ ایچ ایس سنگھا نے لکھا ہے ۔ تاریخی اعتبار سے اگر بات کی جائے تو سکھ ازم کو اس بھگتی تحریک کی مختلف شاخوں کا تاہنوز باقی ماندہ رشتہ شمار کیا جاسکتا ہے ۔ جو عہد متوسط میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نمودار ہوئی تھی ۔ سکھ ازم دوسروں کے مقابلہ میں اس لئے زندہ باقی رہ سکا کہ یہ اپنے لئے موزوں اداروں کے قیام میں کامیاب ہوگیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سماجی ذمہ داریوں سے وابستہ تھا اور اسے ان تاجروں اور زراعت پیشہ طبقات کی حمایت حاصل تھی جو سکھ ازم میں مذکور سماجی برابری کے اصول کا سہارا لیتے ہوئے سماج میں اوپر اٹھنا چاہتے تھے "

وائی مسیح کی بھی یہی رائے ہے کہ سکھ ازم قرون وسطی کی ان سماجی تبدیلیوں کا ہندو جواب تھا جو اسلام کی آمد کے نتیجہ میں ہندوستانی سماج میں نمایاں ہوگئی تھیں ۔ " سکھ ازم ایک ایسے وقت میں وجود میں آیا تھا جب کہ ہندوستان سیاسی اتھل پتھل ، سماجی عدم استحکام اور مذہبی رسومات ، یعنی ایک ایسی ظاہر داری کی حالت میں تھا جو روشن ضمیری اور گہرے روحانی تجربہ سے عاری تھی ۔ اپنے پہلے گرو یعنی نانک کے ہاتھوں میں سکھ ازم اولا ایک سیاسی تحریک نہیں تھی ۔ سماجی نکتہ نظر سے اس کی بنیاد ذات برادری کے استرداد پر رکھی گئی تھی اور ایک جہت ہم آہنگی کو بڑھاوا دینا اس کا مقصد تھا ۔ فطری طور یہ چھوا چھوت کی حامی نہیں تھی ۔ گرونانک کا سکھ ازم لازمی طور پر ہندوستان کے سنت شاعروں کی مذہبی اصلاحی تحریک کے خطوط پر استوار تھا ...۔ سکھ ازم کی بیشتر خصوصی تعلیمات مثلاً (وحدت الوجود نما) توحید (Monotheism) ظاہرداری ، رسومات ، ذات برادری اور بت پرستی کے خلاف اس کے جہاد (جواب بعض صورتوں میں متروک سا ہے) کا سراغ باسانی ان سنت شاعروں بالخصوص کبیر میں تلاش کیا جاسکتا ہے "

اس سنت تحریک کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے نیلسن لکھتا ہے " نانک کی تعلیمات کی مذہبی اور ثقافتی جڑیں سنت روایت میں تلاش کی جاسکتی ہیں ۔ ہندوازم کی بھگتی تحریک کے اندر یہ سنت لوگ ایک ایسا گروہ تھے جن کے متبعین و شنو بھگوان

کے پجاری تھے ۔ سنت روایت جنوبی ہند کے تمل علاقہ میں شروع ہوئی تھی اور راماند (تقریباً ۱۳۵۰ء) اسے شمال میں لائے تھے ۔ سنت اس بات کے موید تھے کہ خدا (جسے وہ وشنو قرار دیتے تھے) زندگی کی واحد حقیقت ہے ، بقیہ دوسری تمام چیزیں محض "مایا" (واہمہ) ہیں ۔ یہ لوگ کسی گرو کی رہنمائی میں مراقبہ ، ورد اسماء الہی اور بھجن گانے کے ذریعہ خدا تک پہنچنے میں لگے رہتے تھے ۔ یہ لوگ ذات برادری کے نظام اور برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری کو مسترد کرتے تھے (کیونکہ) زیادہ تر سنت ہندو ازم میں شامل نچلی ذاتوں سے آئے تھے ۔ یہ لوگ سنسکرت زبان نہیں استعمال کرتے تھے جو کہ برہمنوں کی زبان مقدس تھی بلکہ خدا سے ان مقامی بولیوں میں مخاطب ہوتے تھے ۔ جو دہلی کے ارد گرد بولی جاتی تھیں ۔

انہوں نے نہ تو کوئی مذہبی کتاب چھوڑی اور نہ ہی رسومات ۔ وہ ثنویت کے مقابلہ میں وحدت پر زور دیتے تھے اور اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ راہ نجات یعنی اتصال باللہ کی راہ پر انسانوں کو مصائب کا سامنا کرتے ہی رہنا ہوگا ۔ ہندو ازم کی ویدانت روایات کے برعکس یہ لوگ اس دنیا کو ہی خدا نہیں قرار دیتے تھے بلکہ ان کے نزدیک مخلوق ہی خدا کی مظہر ہے ، خاص طور پر اس پہلو سے کہ وہ نفس انسانی میں پنہاں ہے ۔ ان سنتوں کے نکتہ نظر پر ناتھ فرقہ کی گہری چھاپ تھی جو کہ ہندووں کا ہی ایک ایسا دوسرا گروہ تھا ۔ جو برہمنوں سے متفق نہیں تھے ۔ ناتھ فرقہ کا بانی گورکھ ناتھ نامی ایک نیم افسانوی شخص کو بتایا جاتا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بارہویں صدی عیسوی کے دوران پنجاب میں رہتا تھا ۔ ناتھ فرقہ کے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یوگا اور تجرد کی زندگی کے ذریعہ کرما اور آواگون کے چکر سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے ۔ سکھ ازم کے بانی نانک ایک ناتھ گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے "

بانی سکھ مذہب گرو نانک

سکھ لٹریچر کے مطابق نانک ۷ مہینہ کی عمر میں ہی یوگا کی مہارت کے حامل تھے ۔ وہ اگرچہ چھتری گھرانہ کے تھے تاہم انہوں نے دس برس کی عمر میں جنیو اتار کر رکھ دیا تھا

۔اس کے بعد انہوں نے اپنے دیہات کے پنڈت سے ہندو مذہب کی اور ایک مسلم اسکول سے اسلامی تعلیمات حاصل کیں اور عربی و فارسی زبانیں پڑھیں ۔ وہ 16 برس کی عمر میں دولت خاں کے محاسب کی حیثیت سے ملازم ہوئے ۔ یہیں پر انہیں مروانہ کی رفاقت حاصل ہوئی جو اس وقت دولت خاں کا درباری موسیقار تھا اور بعد میں ان کا قریبی ساتھی ثابت ہوا ۔ اسی دوران نانک نے اپنے متبعین کا ایک گروہ تیار کیا جس کی سرگرمیاں یہ تھیں کہ وہ صبح کے وقت ایک ساتھ ندی میں اشنان کرتے تھے ۔ اور شام کے وقت نانک کے گھر میں جمع ہوکر بھجن گاتے تھے جب نانک کی عمر ۳۰ برس کی ہوئی تو انہیں خدا کا ایک پیغام موصول ہوا ۔ ایک دن وہ ندی میں صبح کے غسل کے بعد واپس نہ لوٹے ۔ ان کے احباب ندی کے کنارے پڑے ہوئے ان کے کپڑے دیکھ کر پانی میں ان کا جسم تلاش کرتے رہے لیکن کچھ حاصل نہ نکلا ۔ تین دن بعد نانک پھر ظاہر ہوئے ۔ نانک نے اپنی گم شدگی کی وجہ بتانے کے بجائے یہ رمزیہ بیان دیا ۔ "نہ کوئی ہندو ہے اور نہ ہی مسلمان ، پھر میں کس کا راستہ اختیار کروں ؟ میں خدا کے راستہ پر چلونگا ۔ خدا نہ تو ہندو ہے اور نہ مسلمان اور جو راستہ میں چلتا ہوں وہی خدا کا ہے "۔

بعد میں نانک نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ انہوں نے مراقبہ میں دیکھا کہ انہیں خدا کے حضور لے جایا گیا ہے ۔ وہاں پر آب حیات کا ایک پیالہ پلاکر خدا نے انہیں یہ پیغام دیا ۔

"میں تیرے ساتھ ہوں ۔ میں نے تجھے مسرت بخشی اور میں ان سب کو خوش رکھونگا جو تیرا نام لیتے رہیں گے تو جا اور میرے نام کا ورد کر دوسروں کو اس کا ورد کرنے والا بنا ۔ دنیا میں ملوث ہوکر خراب نہ ہو ۔ صدقہ کیا کر ، پاک رہا کر اور پوجا و مراقبہ کیا کر ۔ میرا نام خدا ہے یعنی ازلی برہما ۔ تو مقدس گرو ہے "

یہی وہ موقع تھا جب نانک نے گرو کا لقب اختیار کیا ۔ " ابتداء میں سکھ ازم میں سکھ ، سنت ، سادھو بھگت اور سیوک جیسی اصطلاحیں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتی تھیں لیکن اب گرو کی اصطلاح صرف پہلے دس گرووں اور آدی گرنتھ صاحب کے لئے

استعمال کی جاتی ہے۔ وہ تمام شعراء جن کے اشعار آدی گرنتھ صاحب میں شامل کئے گئے ہیں۔ انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لیکن گرو کو سنت نہیں کہا جاتا"

سکھ لوگ اس اصطلاح کے معنی کی تشریح کرتے ہیں وہ شخص جو اندھیروں (GU) کو دور کرتا ہو اور روشنی (RU) کی تبلیغ کرتا ہو" گرو بننے کے بعد نانک نے جس عقیدہ کی تبلیغ شروع کی وہ آدی گرنتھ صاحب کے آغاز میں درج ہے۔

☆ ایک اونکار۔ ست نام۔ کرتا پرکھ، نربھو، نرویر

☆ اکال مورت، اجونی، سے بھنگ گرپر سادی"

(قوت کل جس کا نام" اوم" ہے صرف ایک ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے والی صداقت ہے۔ وہ خالق کائنات ہے اور اس میں ساری ہے وہ بے خوف ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی نہیں۔ اس کا وجود غیر فانی ہے، وہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ خود ظہور میں آنے والا ہے اس کا علم گرو کی عنایت سے حاصل کیا جاسکتا ہے) (مول منتر جپ جی)

بھائی جودھ سنگھ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" ہندوستانی مذہبی کتب عام طور پر" اوم سے شروع ہوتی ہیں۔ صرف و نحو کے ماہرین یہ مانتے ہیں کہ یہ لفظ" اودھاتو" مخرج سے نکلا ہے اور اس کے معنی یہ مانتے ہیں کہ " حفاظت کر" پروفیسر میکس ملر لکھتے ہیں کہ یہ لفظ حامی بھرنے کی علامت ہے اور اسی شکل میں اس کا استعمال ہوتا تھا جس طرح موجود زمانے میں ہم "ہاں یا ہوں" کہتے ہیں۔ یوگی لوگ یہ بتاتے ہیں کہ یہ لفظ آغاز کائنات میں عدم سے ظہور میں آیا اور تمام کائنات میں جاری و ساری ہے جس طرح ہم جانوروں کے نام انکی بولی سے رکھ لیتے ہیں اسی طرح یہ لفظ خالق کل کے مترادف ہوگیا۔

اپنشدوں کے زمانے میں اس لفظ کا استعمال اس معنی میں مروج ہوگیا لیکن بعد میں اس لفظ کے تین حروف "آ" "او" "ما" کے مختلف معانی لئے جانے لگے۔ کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ تین حروف تین حالتوں" بیداری" " خوابیدگی" اور" غفلت" کے مترادف ہیں۔ کچھ لوگ ان میں" برہما" وشنو" اور" مہیش" کی تین صورتیں دیکھنے لگے۔ گروجی نے "۱" کا" ہندسہ جوڑ کر یہ طے کردیا کہ یہ لفظ محض ایک" نرنکار" کے

مترادف ہے ۔ اس "۱" کا تلفظ "ایک اونکار" کو صاف نمایاں کرتا ہے جس کے معنی ہیں "نرنکار" صرف ایک ہی ہے "وہی ایک پرستش کے قابل ہے ۔ انھوں نے اپنے پیرووں کو دیوی" دیوتاؤں یا دیگر طاقتوں کی پوجا سے روک دیا ۔ اسے پہلے ہی جلوہ صداقت" سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن "کرتا پرکھ" کہہ کر گرو صاحب نے چھ شاسترون سے اپنے " اختلاف رائے کو ظاہر کیا" سانکھیہ خدا کے وجود کو تسلیم ہی "نہیں کرتا" یوگ "خدا کے وجود کو تسلیم کرتا ہے ۔ لیکن ساتھ ہی انسان اور قدرت کو ابدی مانتا ہے اور انہیں خدا کی مخلوق تسلیم نہیں کرتا" ۔ نیائے اور وٹی شیشک "خدا کو اس کائنات کا حکمراں اور اعمال کا اجر دینے والا مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ وہ مسبب الاسباب تو ہے مگر ذریعہ اسباب نہیں ہے ۔ ان کی رائے کے مطابق ذرات ابدی اور دوامی ہیں اور وہی سبب کائنات ہیں" جینی" اپنے سوتروں میں خدا کا ذکر تک نہیں کرتے ۔ شری شنکر اچاریہ زندگی اور کائنات کی تخلیق میں "مایا" کا ہاتھ مانتے ہیں ۔" مایا نہ سچ ہے نہ جھوٹ ۔ یہ سچ مچ بھی ہے اور جھوٹ بھی جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا یعنی اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا "مایا" کے اثر سے محدود ہو کر برہم ہی جیو ہوگیا ۔ برہم جو بے عمل اور غیر جانبدار ہے اور یہ دنیا "مایا" کا کرشمہ ہے لیکن گرونانک دیو کے مطابق جیو اور سنسار نرنکار کے حکم سے وجود میں آتے ہیں ۔

خالق نربھے اور نرویر ہے (بے خوف اور بے عداوت ہے) اور جو بھی اس کی پوجا کرتے ہیں وہ بھی نربھے اور نرویر ہوجاتے ہیں وہ" ایونی" ہے (کسی کی کوکھ سے نہ پیدا ہونے والا) یعنی جنم نہیں لیتا ۔ یہ وصف پرماتما کے اوتار بن کر آنے کے نظریے کی نفی کرتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والی مورتی پوجا (بت پرستی) کی بھی سخت مخالفت کرتا ہے وہ خود ہی پیدا ہوا یعنی خود ہی ظہور میں آگیا ہے کسی نے اسے نہیں بنایا ۔

" جیو آتما کی پیدائش بھی پرماتما سے ہوئی ۔ یہ اسی کا جزو ہے اس کے " حکم " کے مطابق زندگی بسر کرنے والے انسان میں اسی نور کا پرتو اور بھی فروزاں ہوجاتا ہے ۔ جیو آتما پرماتما کے نور میں خود بخود جذب ہوجاتا ہے ۔ نور ہستی خدا کی شکل اختیار

کرلیتا ہے جس طرح ویدانتی مانتے ہیں ۔ نور ہستی خدا کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس طرح ویدانتی مانتے ہیں وہ جیو جیوتی برہم نہیں ہوجاتی " جپ جی " میں گروجی نے ایک مثال دے کر اسے اچھی طرح سمجھایا ہے ۔ جس طرح ندیاں نالے سمندر تک پہنچ کر اس میں جذب ہوجاتے ہیں اور اس کا اور چھور نہیں جانتے اسی طرح بھگت لوگ بھی " اس " کے ساتھ یک جان ہوجانے کے بعد بھی " اس " کی بے کرانی اور گہرائی کو نہیں پہنچ سکتے " ۔

اسی کو بعض لوگ " توحید " قرار دیتے ہیں ۔ لیکن آدی گرنتھ صاحب میں اس " واحد خدا " کی تین مختلف توضیحات کی گئی ہیں ۔

نرگن اور سگن ایک
سگن اور نرگن تھپائی ناؤ
دوھالی ایکے تینو تھاؤ

(درحقیقت نرگن اور سگن برہما ایک ہی ہے ۔ دونوں ایک سے مل کر تینوں ایک ہوجاتے ہیں)

لہٰذا " پرا برہم ہی اونکار ۔ سگن برہما یا ایشور بھی ہے ۔ چنانچہ حقیقت برتری (Supreme Reality) مشکل بھی ہے اور غیر مشکل بھی البتہ ایشور کی حیثیت میں وہ عبادت اور بندگی کا مستحق ٹھہرتا ہے ۔ خدا اگرچہ خالق و رحیم و رحمان ہے تاہم وہ اس صورت میں اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا جنھیں اوتار کہا جاتا ہے ۔ یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس کی ترویج کبیر نے اپنے مخصوص انداز میں کی تھی ۔ بیجک ، شبد ۸ ۲۵۰) ٹھیک اسی طرح سکھ ازم بھی نہیں تسلیم کرتا ہے کہ خدا کے خصوصی یا برگزیدہ پیغمبر بھی ہوتے ہیں چنانچہ اسلام پر بالواسطہ اور عیسائیت نیز پور انک ہندوازم پر براہ راست تنقید کرتے ہوئے سکھ ازم خالص وحدت الوجود پیش کرتی ہے ۔

گرونانک سگن برہما کو کرتار (خالق) اکال (ابدی) ست نام (نام مقدس) جیسے مختلف ناموں سے لائق پرستش قرار دیتے ہیں ۔ نانک کے بعد کے لٹریچر میں " واہے گرو " کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے ۔ گرونانک نے اللہ ۔ خدا ، پروردگار اور صاحب کا لفظ

بھی استعمال کیا ہے ۔ انہوں نے پورانک بھگتی میں مستعمل خدا کے مختلف ناموں کو بھی استعمال کیا ہے مثلاً رام ، گوپال ، مراری ، نارائن ، مادھو ۔۔۔ گروؤں کا گرو تو ایک ہی ہے اگرچہ اس کی مختلف شکلیں ہیں ۔ لہٰذا گرو شیو ہے گرو وشنو ہے اور برہما بھی گورو پاروتی ہے ، لکشمی ہے اور سرسوتی ہے "۔

اسی کے ساتھ ساتھ گرو نانک بانی میں کچھ اور تشریحات بھی مل جاتی ہیں ۔

" ترتیا ، برہما ، بسن ، مہیسادیوی دیوا پائے ویسا
جوتی جاتی گنت نہ آوے جی ساجی سو قیمت پاوے

(تین مورتیاں برہما وشنو اور مہیش (نیز) دیویاں اور دیوتا تونے ہی پیدا کئے ہیں جن کے بھیس رنگ برنگے ہیں ۔ تیرے نور سے جو جاتیاں پیدا ہوئیں ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا جس نے پیدا کیا وہی قیمت کا اندازہ لگائے گا)

کیتے پون پانی بے مترکیتے کان یہیس ۱۱
کیتے برمے گھاڑت کھڑیے روپ رنگ کے دیس ۱۱ (جب پوڑی ۳۵)

کتنے ہی وایو ، جل اور اگنی کے دیوتا ہیں ۔ شیو اور کرشن بھی کتنے ہی ہیں کئی برہما مختلف بھیسوں میں تخلیق میں مصروف ہیں)

برہما ، بسب رکھی منی سنکر اندر پتے بھیکھاری (مارو) (برہما ، وشنو ، شیو ، رشی ، منی اور اندر ریاضت کرتے ہوئے بھی اس کے در کے بھکاری ہیں)

" گرو نانک نے خدا کے بارے میں ایسی نیرنگی کیوں اختیار کی ؟ مطلب واضح ہے ۔ سکھ ازم مختلف عقائد کے متبعین تک اپنا پیغام وسیع کرنا چاہتی ہے "۔

لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ سکھ ازم کے سارے تصورات گرو نانک کی زندگی میں ہی فیصل ہوچکے تھے ۔ دراصل سکھ ازم دس گروؤں کی مساعی کے ذریعہ بتدریج ارتقاء پذیر رہا اور اب آخری گرو یعنی آدی گرنتھ صاحب کی شکل میں تقریباً طے شدہ ہے ۔ اگرچہ بعد کے دور میں اس نظریہ کے خلاف بعض گروؤں نے بغاوت بھی کی مثلاً نرنکاری مشن لیکن وہ ظاہری مشابہت کے علاوہ سکھوں کے درمیان بحیثیت سکھ مقبول نہ ہوسکے بلکہ سکھ ازم سے زیادہ بھگتی تحریک کی ایک شاخ بن کر نمایاں ہوئے ۔

سکھ ازم

ایس ایچ سنگھا کے مطابق "ہر وہ مرد یا عورت سکھ ہے جو ایک غیر فانی ذات، دس گرووں، آدی گرنتھ، دسوں گرووں کی تعلیمات و ملفوظات اور دسوں گرووں کے بپتسمہ پر ایمان رکھے نیز دوسرے کسی بھی مذہب کا معتقد نہ ہو" لفظ سکھ کو سنسکرت زبان کے لفظ "ششیہ" اور پالی زبان کے لفظ "سکھا" سے مستخرج بتایا جاتا ہے اور اس کے معنی ہیں "شاگرد" بریں بنا کہ اس مذہب کے باقی دس گرو ہیں، اس مذہب کے متبعین "سکھ" یعنی شاگرد کہلاتے ہیں۔ سکھ لوگ اپنے نام کے ساتھ لفظ "سنگھ" کا اضافہ بھی کرتے ہیں، لفظ۔ سنگھ سنسکرت کے ایک لفظ سے مستخرج ہے جس کا معنی ہے "شیر" سکھ ازم نے تمام مرد سکھوں کے لئے لازم کردیا ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ سنگھ بھی لکھیں۔

یہ اختتامیہ سکھ ازم کی تخلیق نہیں ہے بلکہ اس کا حکم گرو گوبند سنگھ کے دور میں دیا گیا تھا۔ یہ لفظ راجپوتوں، ٹھاکروں اور بعض دیگر برادریوں کے مردوں کے نام کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا اور اب بھی کیا جاتا ہے۔ گرو نے تمام سکھوں کو "خالصہ" میں تبدیل کرنے کی غرض سے اس کے التزام کا حکم دیا تھا۔ گرو نانک کا ایک آئیڈیل سماج کا تصور گرو گوبند سنگھ کے زمانے میں "خالصہ" (خالص) کی شکل میں بلوغ کو پہنچا۔ خالصہ ہندو اخوت (Brotherhood) سے یکسر مختلف قسم کا تصور ہے ۔۔۔ خالصہ آفاقی اخوت کا تصور ہے جو "عالم واحد" کی بات کرتی ہے۔ ہر خالصہ (بہ یک وقت) ایک سنت، ایک سپاہی اور ایک عالم ہوتا ہے چنانچہ ایک سکھ سماج ایک ایسا سماج ہے جو اپنی روح میں عسکری، اپنے کردار میں سنتوں جیسا اور علم میں دانشورانہ ہوتا ہے۔ خود گرو گوبند سنگھ نے خالصہ کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔ جو ہمیشہ بیدار نور کو دن رات یاد کرتا ہے جس کے ذہن میں اس ایک واحد کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہوتا جو صاحب ایمان اور محبت سے لبریز ہے جو برتوں (Fasts) قبروں، مندروں میں قطعا وشواس نہیں رکھتا جو اس واحد کے سوا کسی کو بھی تسلیم نہیں کرتا حتی کہ متبرک مقامات، صدقہ و

خیرات ، رحم دلی ، ریاضت اور پرائشچت سے بھی دستبردار ہوجاتا ہے جس کے دل میں نور کامل فروزاں ہے تو پھر وہ خالصہ ہے پھر اسے خالص سمجھا جائے (بحوالہ سویا نمبر۱)"۔

وائی مسیح نے سکھ ازم کی حسب ذیل خصوصیات درج کی ہیں۔

"۱۔ سکھ ازم کرما۔ سمسار۔ گیان۔ مکتی کے چار نکاتی اصولوں کا پوری طرح سے موید ہے بحوالہ جپ جی ۲۰۔۲۵) عہد حاضر میں یہ اصول ہندو ازم کی کسی بھی شکل کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

۲۔ ہندوستان کی کسی بھی دوسری روایت کے مقابلہ میں سکھ ازم میں گرو کو زیادہ نمایاں طور پر مرکزی حیثیت دی گئی ہ۔ حتیٰ کہ خدا کے لئے ایک نام "واہے گرو" بھی رکھا گیا ہے۔

۳۔ پانچ ککاروں کا خصوصی عہدنامہ فرائض میں شامل کیا گیا ہے۔

۴۔ ہندو ازم کے برعکس سکھ ازم اس بات کو تمام سکھوں کا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ سماجی ناانصافیوں کے خلاف اور اپنے عقیدہ کے دفاع میں جنگ کریں۔

۵۔ سکھ ازم میں خالص وحدت الوجود Monotheism کی تعلیم عام کی گئی ہے۔

۶۔ اسی مطابقت سے سکھ ازم اوتاروں کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کوئی پہلا آخری یا خصوصی پیغمبر بھی ہوسکتا ہے۔

۷۔ سکھ ازم یہ تسلیم کرتا ہے کہ صرف ایک خدا (ایک اونکار) غیر مرئی شکل میں اور مرئی شکل میں ہے اونکار" اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے جس کے مختلف نام ہوسکتے ہیں۔

۸۔ سکھ ازم ذات برادری ، بت پرستی ، رسومات اور ظاہرداری کے تکلفات کے خلاف ہے۔

۹۔ سکھ ازم یہ تعلیم دیتا ہے کہ "مایا" خدا کی خلاقیت کا اظہار ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انسان میں پانچ روایتی گناہ یعنی "کام" (لذت نفس) "کرودھ" (غصہ) "لوبھ" (حرص) "موہ" (دنیوی لگاؤ) اور "اہنکار" (نانیت) کو بھی جنم دیتی ہے۔ ان برائیوں کو

دعا، مراقبہ اور خدمت خلق کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ گرونانک نے خود کو مکمل طور پر خدا کے حوالہ کرکے نام سمرن " (ورد مسلسل) پر خاصا زور دیا ہے۔ اور یہ بات کبیر پنتھ میں بھی پائی جاتی ہے بریں بناء سکھ ازم کو " سنت مت " کا نام بھی دیا گیا ہے۔

۱۱۔ سنت شاعروں مثلا دادو ہرائے داس اور کبیر کی طرح سکھ ازم میں بھی مایا کے جال سے چھٹکارا پانے کے لئے بھگتی کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔

۱۲۔ گرونانک نے سنیاس نہیں تجویز کیا ہے بلکہ وہ " مکتی " کی راہ میں خانگی زندگی کو رکاوٹ بھی نہیں سمجھتے اور اسے سماجی زندگی کا ایک اہم شعبہ قرار دیتے ہیں۔

۱۳۔ سکھ ازم اگرچہ ہندو کلچر اور ہندو تصور کائنات سے وابستہ ایک ہندوستانی مذہب بھی ہے تاہم وہ ویدک ہندو ازم اور اسلام دونوں ہی سے ماوراء اور آزاد ہے۔

۱۴۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سکھ ازم میں یہ تعلیم بھی نہیں دی جاتی ہے کہ ہندو ازم یا اسلام غلط ہیں بلکہ سکھ ازم ہندوؤں اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ رسومات اور ظاہرداری کی پرواہ کئے بنا اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے بہتر اخلاقی زندگی گذاریں اور سماج کی خدمت کریں۔

۱۵۔ سکھ ازم مقامی زبانوں کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن اس کی اپنی زبان گورمکھی ہے گروگرنتھ صاحب اسی رسم خط میں لکھا گیا ہے اور گرنتھ صاحب کے بارے میں چونکہ سکھ عقیدہ یہ ہے کہ یہ سکھوں کو خودپسند (Centeed eger من مکھ) بنانے کی بجائے خدا پسند (God Centered گرومکھ) بناتا ہے، لہذا اس رسم خط کا نام بھی گرومکھی رکھا گیا ہے۔

گرنتھ صاحب

سکھوں کی مذہبی کتاب مقدس کو آدی گرنتھ کہتے ہیں۔ جو اپنی ضخامت کے لحاظ سے دنیا کی دیگر مذہبی کتابوں سے کسی بھی طرح کم نہیں۔ اس کی تالیف سکھوں کے پانچویں

گرو ارجن دیو نے سابقہ گروؤں کی تحریروں اور دیگر سنتوں کی تصنیفات کے ساتھ اپنے کلام کو بھی شامل کر کے کی تھی ۱۶۰۴ء میں یہ تالیف مکمل ہوئی تھی اور گولڈن ٹمپل میں مستقلاً رکھ دی گئی تھی۔ بھائی بڈھا اس کے پہلے گرنتھی (Reader) تھے۔ آدی گرنتھ کا دوسرا اور آخری خاکہ گروگوبند سنگھ کے ہاتھوں تکمیل پایا جاتا تھا۔ انھوں نے سابقہ تین کے ساتھ آدی گرنتھ میں اپنے والد گرو تیغ بہادر کا کلام بھی شامل کر کے اسے قطعی شکل دے دی اور یہی نسخہ آج کل سکھوں کے لئے صحیح اور مستند نسخہ سمجھا جاتا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں گروگوبند سنگھ نے اپنے متبعین کو یہ نصیحت کردی تھی کہ ان کے بعد گروؤں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہونے والا ہے اور اب وہ آدی گرنتھ کو نہ صرف مقدس قرار دے دیا گیا، بلکہ اس کا احترام سکھ ازم کی ایمانیات میں شامل ہے، بعض مصنفین نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ اگرچہ سکھ مذہب بت پرستی کے استیصال کے لئے وجود میں آیا تھا لیکن بعض لوگوں نے گویا کہ آدی گرنتھ کو ہی اپنا گرو اور دائمی گرو سمجھیں۔ اسی وقت سے آدی گرنتھ کو بھی ایک بت کی حیثیت دے دی ہے۔ آدی گرنتھ مختلف بھگتی تحریک کے سنتوں کی زبان میں تحریر شدہ ہے۔

فطری طور پر اس کے الفاظ سنسکرت زبان سے لے کر پراکرت اور مراٹھی نیز عربی اور فارسی سے مستعار ہیں، یہ اس وقت مروج مختلف اصناف سخن مثلاً ساکھی، پداور سویوں کے انداز میں ہے۔ آدی گرنتھ کے مصرعوں کو "شبد" (Shabad) کہا جاتا ہے آدی گرنتھ میں جن سنتوں کے شبد شامل ہیں ان کی تعداد فہرست نمبر۱۔ میں درج ہے گروگرنتھ کا موجودہ نسخہ طبع شدہ شکل میں ۱۴۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ۳۳ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا باب گرونانک کے تصنیف کردہ "جپ جی" سے شروع ہوتا ہے جسے سکھ لوگ روزانہ پڑھتے ہیں۔ اسی باب میں گرو نانک کی کچھ پوڑیاں (Paudis) بھی شامل ہیں۔ آخری باب میں بھٹ (Bhathas) مخصوص گویئے لوگوں کی تخلیقات مثلاً اشلوک اور سویئے درج کئے گئے ہیں بقیہ ۳۱ ابواب کے نام مختلف کلاسیکی راگوں کے نام پر رکھے گئے ہیں اور اس حصہ کی تالیفات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ پہلے سے متعین شدہ راگوں اور دھنوں میں ہی ان کا پاٹھ کرنا ضروری قرار دیا گیا

ہے ۔ یہ بات کسی حد تک ویدک عہد میں قرار شدہ منتر پاٹھ کے طریقوں سے مطابقت
رکھتی ہے ۔ ان ابواب کے راگوں کی فہرست نمبر ۲ بھی یہاں پر منسلک ہے ۔ رامائن
وغیرہ کی طرح آدی گرنتھ کا بھی " اکھنڈ پاٹھ " ہوتا ہے جس میں مختلف گرنتھی ٹولیاں آ آکر
گرنتھ صاحب کا پاٹھ ایک لفظ کا تسلسل بھی توڑے بنا شروع سے آخر تک مسلسل جاری
رکھتی ہیں ۔ اس روایت کے آغاز کا صحیح علم تو کسی کو بھی نہیں البتہ گمان یہ ہے کہ اس
کی ابتداء ۱۸ ویں صدی عیسوی میں ملک بدر شدہ سکھوں کے ذریعہ کی گئی تھی ۔ گروگرنتھ
صاحب کو رات سے قبل گولڈن ٹمپل سے لے جا کر اکال تخت کے ایک کمرے میں
جسے کوٹھا صاحب کہا جاتا ہے ، رکھ دیا جاتا ہے ۔ اکال تخت گولڈن ٹمپل کے مقابل
عمارت کا نام ہے جس کی بنیاد گروگوبند سنگھ نے رکھی تھی اور یہیں پر ان کی تخت
نشینی بھی ہوئی تھی ۔ گولڈن ٹمپل میں " روحانی فیصلے " کئے جاتے ہیں جب کہ اکال
تخت میں دنیوی معاملات اور مقدمات کے فیصلہ کیئے جاتے ہیں ابتداء میں یہیں پر "
سربت خالصہ " منعقد کی جاتی تھی اس وقت بھی سکھوں کے نام تمام حکمنامے یہیں
سے جاری کیئے جاتے ہیں گولڈن ٹیمپل کے اکال تخت کے علاوہ بھی دیگر پانچ مقامات
پر اکال تخت قائم کئے گئے ہیں ۔ لیکن اس اکال تخت کی ایک خوبی یہ ہے کہ لوگوں کو
سکھ فرقہ میں داخل کرنے کی غرض سے بپتسمہ دینے کی روایت کی بنیادی رسم یہیں پڑی
تھی ۔ سکھ بپتسمہ کی روایت گرونانک نے ڈالی تھی اور اس زمانہ میں اسے "چرن پہول "
کہا جاتا تھا اور اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ سکھ بننے والے شخص کو گرو کے قدموں کا پانی
پلایا جاتا تھا اور اسی سے اس کو نہلایا جاتا تھا ۔ نانک پنتھی سکھ فرقہ میں یہ رسم ابھی تک
برقرار ہے لیکن گروگوبند سنگھ نے اس طریقہ میں کچھ ترمیم کرکے اپنا جداگانہ طریقہ رائج کیا
تھا ۔ جو کہ آج کل عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے نئے طریقہ میں گرنتھی نئے شخص کے بال
دھلوا کر اسے پانچوں ککار پہناتا ہے ۔ گرنتھ صاحب کی موجودگی میں " امرت " پلاتا ہے
اور اس کا نیا نام رکھا جاتا ہے ۔ اس کے بعد اس شخص کو سکھ فرقہ کے ممبروں میں شامل
کرلیا جاتا ہے ۔

فرقے

۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق، ہندوستان کی کل ۵۴ کروڑ ۸۲ لاکھ کی آبادی میں سکھ ایک کروڑ ۴ لاکھ تھے جن میں سے ۸۲ لاکھ پنجاب میں ۳۶ لاکھ ہریانہ میں۔ ۳۷ لاکھ اتر پردیش میں، ۳۴۰ لاکھ راجستھان میں ۳۰ لاکھ دہلی میں ایک لاکھ دس ہزار جموں و کشمیر میں اور ایک لاکھ مہاراشٹر میں آباد تھے "۔

سکھ فرقے (ہندوستان کے باہر) ملیشیا، سنگاپور، مشرقی افریقہ انگلینڈ، کناڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں " "سکھ لوگ ایک مہم جو اور محنتی سماج پر مشتمل ہیں۔ وہ بہترین سپاہی، کھلاڑی، کسان اور تاجر ثابت ہوئے ہیں۔

گروؤں کے شاگردوں کو بہادر بننے اور رغبات، غصہ، حرص اور انا پرستی پر قابو پانے یا ان سے دور رہنے کی نصیحت کی جاتی ہے۔ ان اوصاف نیز سکھ نوجوانوں کی بہترین جسمانی حالت نے ہندوستان میں برطانوی غلبہ کے دوران برطانوی سامراج کو اپنی طرف راغب کیا تھا۔ نتیجتہً سکھ لوگ برما، ہانگ کانگ اور برطانوی سامراج کے دیگر علاقوں میں انتہائی معزز سپاہی اور پولس مین بن گئے تھے۔

سکھوں کی مذہبی اور سماجی زندگی " رہت نامہ (Rahitnama) نامی کوڈ کی متابعت میں بسر ہونی چاہئے۔ لیکن متعدد درہت نامے اس وقت پائے جاتے ہیں اور ان سب کے بارے میں یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ انہیں خود گروگوبند سنگھ نے لکھوایا تھا " بھائی کہان سنگھ نے ان میں سے تین کا ذکر کیا ہے یعنی بھائی نندلال کا " تنخواہ نامہ " اور " پرشن اتر " نیز بھائی دیسہ سنگھ کا " رہت نامہ " جو ان مذاکرات پر مبنی ہے جو ان لوگوں نے گرو سے کئے تھے۔ دیگر اہم رہت ناموں میں چوپا سنگھ اور پرہلاد سنگھ کا رہت نامہ شامل ہے۔ لیکن بھائی نندلال نے گروگوبند سنگھ کے ساتھ جو گفتگو کی تھی وہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں ایک سچے سکھ کی ذمہ داریوں کے بارے میں مختصر یوں بتایا گیا ہے۔ اے دوست۔ میری سنو۔ گرو کے شاگرد کے لئے زندگی گزارنے کا راستہ یہ ہے ..... صبح کی اولین ساعتوں میں بیدار ہو غسل کرے جپ جی اور جپ

صاحب پاٹھ کرے اور شام کے وقت خدا کے نام کا مراقبہ کرے ۔ سنگت میں شامل ہو اور راہیر اس (Rahiras) کے بھجن خدا کی حمد اور عمدہ خطبات سنے ... گرو جو تعلیم دے لوگوں کو اسے بغور سننا چاہئے اور اس کی تبلیغ کرنی چاہئے ۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ گرو کا شبد دلی عقیدت اور ذہنی عقیدہ کے ساتھ سنیں اور گرو کی تصویر (Form) دن رات اپنی نظروں میں بسائے رکھیں ۔ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے کی خدمت کرنی چاہئے ۔ بنا کسی غرور کے اور بے لوثی کے جو لوگ انسانیت کی خدمت کرتے ہیں ان کی خدمت کو میں اپنی ذات کی خدمت قرار دیتا ہوں " ۔

جس وقت گروگوبند سنگھ نے سکھوں کو اپنے نئے خالصہ نظام میں ڈھالا تھا ، انہوں نے اس کے ممبران کے لئے پانچ علامتی " کاف " اختیار کرنا لازمی قرار دے دیا تھا جنہیں سکھ اصطلاح میں " ککار " کہا جاتا ہے یہ پانچ چیزیں ہیں (۱) کیش ، یعنی لمبے بال رکھنا " لمبے بال صدیوں سے تمام مذاہب میں روحانیت کی علامت سمجھے جاتے رہے ہیں ۔ سکھ ازم نے انہیں اجتماعی علامت بنا دیا ۔ ان کی سماجی ، نفسیاتی ۔ اور مابعد الطبیعاتی اہمیت ہے " (۲) کنگھا " بنا کنگھا کئے لمبے بال یعنی جٹاؤں سے سماجی مدنیت سے دستبرداری کا اظہار ہوتا ہے کنگھا نظم اور ڈسپلن کی علامت ہے " (۳) کڑا (لوہے کا) کڑا پہنا کر ایک سکھ کو اس بات کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ وہ ابدیت اور لازوالیت کا شعور اپنے اندر پیدا کرے " ۔ (۴) کرپان (تلوار) " کرپان قوت و وقار کی علامت ہے ۔۔ اگرچہ سکھ ازم اپنے متبعین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کرپان کو اپنے لباس کا جزو بنائیں لیکن ملکی قانون اس راہ میں سد باب رہا ہے ۔ " اور (۵) کچھا " یہ روایتی لباس افکار سے روحانی اور ذہنی سطح پر الگ تھلگ ہو جانے کی علامت ہے ۔ اس سے سکھوں کو ایک مخصوص لباس بھی حاصل ہوا ہے اور اس سے ضبط نفس اور ضبط ارادہ کا اظہار بھی ہوتا ہے ۔

نوٹس

۱۔ گرونانک بانی میں اس طرح تبلیغ مل جاتی ہے ۔

ہندو کے گھر ہندو آوے　　سوت جنیو پڑگل پاوے
سوت پائے کرے بریائی　　نہاتا دھوتا تھائی نہ پائی
مسلمان کرے وڈیائی　　ون گر پھیرے کو تھائے نہ پائی
راہ دسائے اوتھے کو جائے　　کرنی باجو بھست نہ پائے
جیتے جی تیتے واٹاؤ　　حیری آئی ڈھل ناکاو
اتھے جانے سو جائے سوانے　　ہور پھکر ہندو مسلمانے

(جب کوئی ہندو دھرم میں شامل ہونے کے لئے آتا ہے تو منتروں کے ساتھ سوت کا جنیو اس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں لیکن اگر وہ جنیو پہن کر بھی برے کام ہی کرتا ہے تو اس کے اشنان کا کوئی فائدہ نہیں۔ مسلمان اپنے مذہب کی بڑائی کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت محمدؐ پر ایمان لائے بغیر خدا کی بارگاہ میں جگہ نہیں ملتی لیکن جو راہ رسول خدا نے بتائی ہے۔ اس پر تو کوئی شاذ و نادر ہی چلتا ہے ... جو آدمی یہاں خدا کو پہچان لیتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی اسے پہچانے گا۔ ورنہ ہندو مسلمان ہونے کی ڈینگ مارنا بے کار ہے)

۲۔ وائی مسیح کے مطابق "ایک سکھ وہ شخص ہے جو اپنی زندگی اپنے گرو کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو"

۳۔ لیکن ڈاکٹر جسبیر سنگھ اہلوالیہ کہتے ہیں "سکھ مذہب کے مابعد الطبیعاتی تصورات صرف اصطلاحات کی مماثلت کی حد تک ہندوازم میں اپنا بدل پاتے ہیں۔ یعنی اصطلاحات کے لئے دونوں مذہب میں یکساں الفاظ تو استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کی تعبیرات جداگانہ ہیں۔ بہرحال یہ ایک تفصیلی بحث ہے۔

۴۔ سکھ خواتین اپنے ناموں کے ساتھ لفظ سنگھ کی جگہ پر لفظ "کور" استعمال کرتی ہیں۔

۵۔ کبیر پنتھ میں "مایا" کو قدرت خداوندی کہا گیا ہے اور اس کا نام "رگھوناتھ لکھا گیا ہے۔ جس کی جادو اثری سے لوگ اپنے روحانی زوال کی طرف راغب ہوتے ہیں سکھ ازم میں اسی سے ملتی جلتی تعبیرات ملتی ہیں لیکن سکھ دانشور اس بارے میں مختلف الخیال ہیں، جیسا کہ بھائی جودھ سنگھ کے مذکورہ بالا متن سے ظاہر بھی ہے۔ (ماخوذ)

محمد عزیر

ہندو مذہب کی چند اصلاحی تحریکیں

کبیر پنتھ

کبیر جن کے نام سے یہ پنتھ منسوب ہے بنارس میں ایک بیوہ برہمن کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس نے لوک لاج کے ڈر سے بچے کو ایک تالاب کے کنارے ڈال دیا تھا۔ اتفاق سے نیرو نام ایک جولاہا اور اس کی بیوی نعیمہ کا گزر ادھر سے ہوا وہ رحم کھا کر بچے کو اپنے گھر اٹھا لائے اور اولاد کی طرح اس کی پرورش کی۔

کبیر کی زندگی کے حالات مستند اور معتبر طریقے سے نہیں ملتے۔ چنانچہ ان کی پیدائش اور موت کی تاریخوں میں بھی اختلاف ہے۔ پنڈت منوہر لال زتشی اپنی کتاب "کبیر صاحب" میں لکھتے ہیں۔

"کبیر داس جی کی پیدائش اور موت کی تاریخوں میں اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ زمانہ جدید کے وقائع نگاروں کا اتفاق اس پر معلوم ہوتا ہے کہ سمبت ۱۴۵۵ میں پیدا ہوئے اور سمبت ۱۵۷۵ء میں وفات پائی۔ اس حساب سے ان کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوتی ہے وسکٹ

صاحب نے غالباً اسی بنا پر کبیر صاحب کی پیدائش ۱۳۹۸ء میں اور موت ۱۵۱۸ء میں بیان کی ہے "۔

البتہ خود کبیر کے کلام میں ان کی زندگی کے بعض مستند واقعات مل جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ جولاہے تھے، بنارس میں رہتے تھے، آخر عمر میں مگھر چلے آئے تھے، پڑھے لکھے نہ تھے اور راماتند کے چیلے تھے۔ پنڈت ترتشی نے حوالے بھی نقل کئے ہیں۔

جات جولاہا کیا کرے، ہردے بسے گوپال

(ذات کا جولاہا ہے تو کیا ہوا، دل میں گوپال بسا ہوا ہے)

تو باھمن، میں کاشی کا جولہا، بوجھو مور گیان

(تو برہمن یعنی پنڈت ہے۔ میں کاشی کا جولاہا ہوں۔ میرے گیان کو تو سمجھ)

سکل جنم شوپوری گنوایا مرتی بار مگھر اٹھ آیا

(ساری زندگی تو کاشی میں بیتی۔ مرتے وقت مگھر چلا گیا)

کاشی میں ہم پرگھٹ بھئے ہیں راماتند چتائے

(کاشی میں ہم پیدا ہوئے، اور راماتند نے ہم کو رموز معرفت سے آگاہ کیا ہے)

مسی کاگد چھویو نہیں، کلم گھیو نہیں ہاتھ

چاریو جگ کا مہاتم مکھ ہیں جنائی بات

(روشنائی اور کاغذ کبھی نہیں چھوا، قلم کبھی ہاتھ میں نہیں لیا۔ لیکن چاروں جگوں کے حالات میں نے زبان سے بیان کر دئے)

راماتند کے چیلے ہونے کا اشارہ محسن فانی نے بھی "دبستان مذاہب" میں کیا ہے بیراگیوں کے حال میں کبیر کا ذکر یوں شروع کرتے ہیں۔

"کبیر جولاہہ نژاد کہ از وحدان مشہور ہندست بیراگی بودہ۔ گویند کبیر درہنگام مرشد جوئی پیش کا ملان مسلمان و ہندو رفت۔ انچہ می جست نہ یافت۔ سرانجام یکیاور ادلالت یہ پیر روشن رواں راماتند برہمن نمود"

راماتند نے کبیر کو ہندو فلسفے اور مذہب کی تعلیم دی۔ لیکن چیلے ہونے کے بعد بھی کبیر نے رسمی طور پر ترک دنیا نہیں کیا بلکہ بدستور جولاہے کا پیشہ کرتے رہے۔ کچھ دنوں گرو کی صحبت میں رہنے کے بعد وہ دور دراز مقامات کی سیاحت کو نکل گئے اور

بہت سے ہندو سادھوؤں اور مسلمان صوفیوں سے ملے ۔ ان کے عقائد کے متعلق پنڈت زتشی کا بیان ہے :۔

"کبیر صاحب کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ ان کے دل و دماغ پر اسلام کا اثر کافی تھا ۔ جہاں وہ اسلام کے بعض رسم و رواج کا مذاق اڑاتے تھے وہیں اسلام کے بعض عقائد سے وہ ضرور متفق تھے۔ توحید کی تلقین، بت پرستی کی مذمت ذات پات اور چھوت چھات سے انکار، جس طرح کبیر صاحب کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ ہندو مذہب سے اختلاف کرنے کی ضرور ایک وجہ یہ تھی کہ ان باتوں میں انہوں نے اسلام کا اثر قبول کیا تھا اور کبیر صاحب پر کیا موقوف ہے، اسلام کے عقائد اور اسلام کی تعلیم کا اثر ہندوؤں پر شمالی ہندوستان میں عام تھا ۔ مسٹر مہا دیوگوبند راناڈے کی رائے ہے کہ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کے بعض رسم و رواج میں جو بین فرق نظر آتا ہے، خصوصا شودروں اور اچھوتوں کے ساتھ شمالی ہندوستان میں جو کم سختی برتی جاتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں اسلام کا اثر گہرا اور دیرپا تھا"

کبیر کے مذہب کی نسبت ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں

"کبیر کا مشن مذہب محبت کی تبلیغ کرنا تھا جو تمام ذاتوں اور فرقوں کو متحد کردے ۔ انہوں نے ہندو مذہب اور اسلام کی ان خصوصیات کو مسترد کردیا جو مذہب کی اس روح کے خلاف تھیں اور جو فرد کی حقیقی روحانی فلاح کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں ۔ انہوں نے دونوں مذہبوں کے مشترکہ اور مماثل عناصر کا انتخاب کرلیا تھا ۔ ان کو ہندو اور مسلمان کے فلسفیانہ افکار اور مذہبی عقائد و رسوم میں مماثلت معلوم ہوئی ۔ وہ سنسکرت اور فارسی دونوں زبانوں کے الفاظ استعمال کرتے تھے، اور ان کا کلام دیسی زبان کی دونوں شکلوں یعنی ریختہ اور ہندی بھاشا میں ہے ۔ وہ مذہب کی داخلیت پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے، اور بے لاگ طریقے سے ہندو

اور مسلمان دونوں کے رواج و دستور کی پابندی کو برا بھلا کہتے تھے انہوں نے دونوں مذہبوں کی تفریق کو سوچ سمجھ کر ترک کردیا تھا اور ایک درمیانی راہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔"

"انہوں نے ہندوؤں سے ان چیزوں کے چھوڑ دینے کو کہا جن کے ترک پر بودھ کے زمانے سے ہر مصلح زور دیتا آیا تھا۔ یعنی رسمی قربانی، ساحرانہ طاقتوں کی خواہش، بتوں کی پرستش، مروجہ عقائد کو زبان سے دہراتے رہنا، تیرتھ یاترا، برت، بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا، براہمنوں کا اقتدار اعلیٰ، ذات پات کی تفریق، چھوت چھات اور کھانے پینے کے معاملے میں تعصب، وہ علانیہ اوتاروں کے عقیدے کی مذمت کرتے تھے۔

مسلمانوں سے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ الگ تھلگ رہنا ایک پیغمبر اور اس کی کتاب پر آنکھ بند کرکے ایمان رکھنا، مذہبی رسوم کے ظواہر کا پابند ہونا۔ مثلاً مکہ کا حج کرنا۔ روزے رکھنا اور باضابطہ نماز پڑھنا ترک کردیں۔ نیز اولیاء اور پیر پیغمبروں کی پرستش سے باز آئیں۔

قطع نظر اس غلط خیال کے کہ مسلمان پیر، اولیاء اور پیغمبروں کی پرستش کرتے ہیں اس آخری بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں کا سا نام رکھنے اور ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں پرورش پانے کے باوجود کبیر حقیقتہ مسلمان نہ تھے بلکہ صرف موحد تھے۔ مسلمان ہونے کے لئے خدا کی وحدانیت پر ایمان لانا ہی کافی نہیں، بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار بھی لازمی ہے کبیر کا ایمان بالرسالت کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے وہ مسلمانوں کو آنحضرت صلعم اور قران مجید کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے روکتے ہیں، اور ان کو نماز، روزہ اور حج سے جو اسلام کے اہم ترین ارکان ہیں باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان فرائض کو وہ مذہب کی ظاہری رسمیں سمجھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ کبیر موحد تھے اور خدا کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کردینا ہی ان کا اصلی مذہب تھا۔ اسی کی تلقین وہ ہندو اور مسلمان دونوں کو کرتے تھے۔ مگر جس سلسلے کے وہ مرید تھے۔ یعنی راماند اور ان سے پانچ

پشت اوپر رامانج تک، اس کے تمام مرشدوں کا یہی مذہب تھا اور وہ سب بھگوت بھگتی ہی کے مبلغ تھے ان ہندو موحدوں کے بہرحال ہندو ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ برھمو سماج، آریہ سماج، رادھا سوامی مت، ان سب کے پیرو بھی ہندو ہی ہیں، حالانکہ خدا کی وحدانیت کے سب قائل ہیں اور بت پرستی کی مخالفت میں سب متفق۔

برھمو سماج

خدا پرستی کا عقیدہ ہندو مذہب میں شروع سے موجود ہے۔ چنانچہ رگ وید میں جو سب سے پرانا وید ہے موحدانہ اشلوک بھی ملتے ہیں۔ قدیم ہندو مفکروں کی تعلیم یہ تھی کہ وجود صرف ایک ہی ذات کا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ "کوئی شے حقیقی وجود نہیں رکھتی بجز ایک ازلی و ابدی اور حاضر و ناظر روح کے " بارھویں، تیرھویں پندرھویں اور سولھویں صدی کے ویشنو مصلحین مذہب رامانج، مادھو، ولبھ اور چیتنیا، سب ایک قادر مطلق خدا کے وجود کی تعلیم دیتے تھے جو تمام اشیاء کا خالق، اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس خدا کو وہ وشنو کہتے تھے۔ لیکن یہ مصلحین بھی اوتاروں کے قائل تھے اور ان کے خیال میں وشنو، جنگجو سپاہیوں، زبردست معلموں، اور کبھی جانوروں کی شکل میں بھی، خاص خطروں کے اوقات میں اپنی مخلوقات کو بچانے کے لئے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے رامانج، مادھو، ولبھ اور چیتنیا کی اصلاحات کے باوجود بت پرستی کا وجود مٹ نہ سکا۔ بلکہ یہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ ہونے لگی کبیر اور اس کے بعد گرو نانک کا موحدانہ رنگ دراصل بت پرستی کا رد عمل ہے۔ بقول مونیر ولیمس ان کی "یہ تحریکیں بڑی حد تک اسلامی اثرات کا نتیجہ تھیں" دونوں نے ہندو عقائد کو پاک و صاف کرنے کی حتی الامکان پوری کوشش کی، مگر ان کو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔

ابتداء میں مسلمانوں نے تو ہندوستان میں انگریزی حکومت اور مغربی تعلیم کی مخالفت کی، مگر ہندوؤں نے ان دونوں چیزوں کا خیر مقدم کیا، اور جو ہندو مغربی تعلیم سے

بہرہ مند ہوئے انکے اندر اپنے آباو اجداد کے مذہب کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہونے لگا۔ راجہ رام موہن رائے اس جماعت کے پہلے رہنما تھے اور جس مذہبی اصلاح کا انہوں نے آغاز کیا وہ پہلی اصلاحی تحریک تھی جو مسیحی اثرات اور انگریزی تعلیم کے ذریعے مغربی خیالات کے سرچشمہ سے جاری ہوئی۔

رام موہن رائے

رام موہن سن ۱۷۷۲ء میں موضع رادھا نگر، ضلع مرشد آباد میں ایک اونچی ذات کے برہمن کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام راما کانت رائے تھا، اور ان کے دادا مغل شہنشاہ کی ملازمت میں مختلف عہدوں پر مامور رہ چکے تھے۔ اوائل عمر میں رام موہن رائے فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے جس میں قرآن مجید کی تعلیم میں شامل تھی، پٹنہ بھیج دیے گئے۔ جو اس وقت اسلامی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ انہوں نے سنسکرت اور اپنے آبائی مذہب کی تعلیم سے بھی غفلت نہیں برتی۔ ان کے والد وشنو کے پرستاروں میں تھے۔ چنانچہ روز صبح کو رام موہن رائے بھگوت پوران کا جو ویشنو مذہب کا مقدس صحیفہ ہے ایک باب پڑھا کرتے تھے۔ وہ فطرتاً ذہین اور غور و فکر کے عادی تھے تھوڑے ہی دنوں میں وہ ہندو مذہب کے دیومالا سے برداشتہ خاطر ہوگئے، اور اب انہوں نے وید اور ویدانت کی تعلیمات پر، جیسے کہ اپنشدوں میں بیان کی گئی ہیں خاص طور پر توجہ کرنی شروع کی۔ اس مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ہی انہوں نے بت پرستی کے خلاف بنگالی زبان میں ایک رسالہ لکھا جس سے نہ صرف ان کے خاندان والوں بلکہ تمام اعزہ و اقرباء میں ان کے خلاف سخت برہمی پیدا ہوئی اور انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنے باپ کے گھر سے کہیں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ پہلے بنارس گئے جو برہمنیت کا مرکز تھا، اور پھر وہاں سے تبت پہونچے جہاں انہوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ بدھ مذہب کا مطالعہ کیا اور بدھ پجاریوں کے ساتھ مناظرے کئے۔ رام موہن رائے کو شروع ہی سے تمام مذاہب کے تقابلی مطالعے کا شوق تھا وہ حق کے متلاشی تھے۔ اسی غرض سے انہوں نے دنیا کے

تمام بڑے بڑے مذاہب کی مقدس کتابوں کی زبانیں سیکھنے کی امکانی کوشش کی۔ انہوں نے وید کو سنسکرت زبان میں پڑھا اور بدھ مت کی مقدس کتاب " ترپی تا " کا پالی زبان میں مطالعہ کیا۔ عربی زبان پر بھی اتنا عبور حاصل کرلیا تھا کہ قرآن مجید سمجھ سکتے تھے۔ پھر اپنی زندگی کے پچھلے دور میں عبرانی زبان بھی سیکھی تاکہ توریت کے متعلق صحیح رائے قائم کرسکیں، اور آخر میں انجیل سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے یونانی زبان بھی سیکھنی شروع کردی تھی۔

۱۷۹۶ء کے قریب رام موہن رائے گھر واپس آئے اور باپ سے صلح ہوگئی۔ اب انہوں نے سنسکرت ادب اور ہندو مذہب کا مطالعہ زیادہ انہماک سے شروع کیا۔ اسی زمانے میں انگریزوں سے میل جول اور انگریزی سوسائٹی میں ان کی آمد و رفت بھی شروع ہوئی۔ ۱۸۰۳ء میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اب وہ برہمنوں سے زیادہ بے باکی کے ساتھ مباحثے کرنے لگے، اور انہوں نے متعدد چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ہندوؤں کی بت پرستی ان کے اسلاف کے دستور اور جن کتابوں کا وہ احترام اور جن پر عمل کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اپنے والد کی وفات کے چند روز بعد انہوں نے ایک کتاب " تمام مذاہب کی بت پرستی کے خلاف " فارسی زبان میں لکھی نیز اسی موضوع پر چھوٹے چھوٹے رسالے اور بعض اپنشدوں کے ترجمے بھی شائع کئے سب سے اہم چیز جس کی طرف انہوں نے لوگوں کو توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ ستی کے لئے ویدوں میں کوئی سند موجود نہیں۔ یہ خاص طور پر انہی کی جد و جہد کا نتیجہ تھا کہ ستی کی رسم ۱۸۲۹ء میں تمام برطانوی ہند میں قانوناً ممنوع قرار دی گئی۔

اس واقعے سے بہت پہلے رام موہن رائے یہ دیکھ کر کہ وطن میں ان کی مخالفت روز بروز بڑھتی جارہی ہے کلکتہ چلے آئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ انہوں نے سرکاری دفتر کی ملازمت بھی ترک کردی تھی اور ہمہ تن مذہبی اور معاشرتی اصلاحات میں مصروف ہوگئے تھے۔ کلکتہ میں ان کو دولت مند اور با اثر ہندوؤں اور جینیوں میں کچھ ہم خیال افراد مل گئے جو اصلاح مذہب کی تجویزوں میں ان سے متفق تھے۔ یہ لوگ ایک متحد جماعت کی شکل میں ان کے ساتھ ہوگئے۔ اور ۱۸۱۶ء میں ایک انجمن " آتمیا

سبھا " (روحانی سوسائٹی) کے نام سے قائم کی گئی ۔ اس سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر رام موہن رائے کے ذاتی احباب تھے من جملہ ان کے دوار کا ناتھ ٹیگور ۔۔۔ بھی تھے ۔ سوسائٹی کے جلسے رام موہن رائے کے مکان پر چند دنوں کے وقفے سے ہوا کرتے تھے ۔ لیکن برہمنوں اور پنڈتوں کی مخالفت کی وجہ سے جو بعض اوقات ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے انجمن کا قیام زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا اور اس کے ارکان ایک ایک کر کے علیحدہ ہوتے گئے ۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انجمن کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ اس کے باوجود رام موہن رائے کے جوش اصلاح میں کوئی کمی ظاہر نہ ہوئی ۔ انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ اپنی جد و جہد جاری رکھی ۔ اور کتابوں ، مختصر رسالوں اور خطبوں کے ذریعہ سے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہے ۔

انجیل میں حضرت عیسی کے اقوال کے مطالعہ کا اثر رام موہن رائے پر یہ ہوا کہ وہ ایک حد تک مسیحیت کے معتقد ہوگئے ۔ چنانچہ ۱۸۳۰ ء میں انہوں نے بنگالی اور انگریزی زبان میں ایک کتاب بعنوان " احکام مسیح ، رہنمائے امن و راحت " لکھی ۔ اس کتاب کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ رام موہن رائے دل سے عیسائیت کے معتقد ہوگئے ہیں سر مونیر ولیمس لکھتے ہیں کہ اگر یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو تو بھی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ تثلیثی عیسائیت کے قائل نہ تھے ۔ موصوف کی رائے یہ ہے کہ رام موہن رائے کا اصلی میلان طبع یہ تھا کہ مختلف مذاہب کی تعلیمات کو سمو کر ایک مرکب تیار کریں ۔ وہ اس بات سے مطمئن معلوم ہوتے تھے کہ ہندو انہیں ویدانتی کہیں ، موحد خدا پرست سمجھیں ، عیسائی مسیحی خیال کریں ، اور مسلمان ان کو مسلمانوں میں شمار کریں ۔ الہام کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ کسی خاص زمانے یا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ بلکہ نوع انسانی کے لئے خدا کا عام عطیہ ہے ۔ وہ اسے ایک قسم کی خدائی روشنی یا وجدانی ادراک حقیقت سمجھتے تھے ۔ جو ہر ملک کے ہر نیک آدمی کو کم و بیش ودیعت ہوتا ہے ۔ اسی بنا پر ان کا خیال تھا کہ ویدوں ، عیسائیوں کے مقدس صحیفوں ، قرآن مجید ، زنداوستا ، یا دنیا کی کسی قوم کی کسی کتاب میں جو اچھی باتیں ہوں ان کو " سچائی کے خدا " کی طرف سے سمجھ کر قبول کرنا چاہئے کسی عقیدے کی صحت کا تنہا معیار ان کے نزدیک یہ تھا کہ وہ انسان کی عقل سلیم اور قلب انسانی کے وجدان کے

مطابق ہو۔

۱۸۲۸ء میں رام موہن رائے نے دوارکا ناتھ ٹگور، پرسنو کمار ٹگور، اور بعض دوسرے اشخاص کی ملی مدد سے اپنی جماعت کے جلسوں کے لئے کچھ کمرے کرائے پر لئے اور وہاں ہر شام کو عبادت کے جلسے ہونے لگے۔ مراسم عبادت چار حصوں میں منقسم تھے۔ ویدوں کا کوئی متن خوش الحانی سے پڑھنا، اپنشدوں میں سے کچھ پڑھنا۔ خطبہ اور بھجن۔ اس طرح کلکتہ میں توحید پرستوں کی پہلی انجمن کی بناء ۱۸۲۸ء میں ڈالی گئی چندوں کی آمدنی میں جب ترقی ہوئی تو رام موہن رائے نے چیت پور روڈ پر ایک بڑا مکان انجمن کے لئے خرید لیا اور ایک سرمایہ اس کے لئے وقف کردیا۔ اس کے لئے امین بھی مقرر کردئے گئے۔ تقریبا دو سال بعد خدا پرست ہندووں کی پہلی مذہبی انجمن کا باضابطہ افتتاح ۲۳ جنوری ۱۸۳۰ء کو ہوا۔ رام موہن رائے نے اس مذہبی جماعت کا نام "برہمو سماج" رکھا، یعنی خدا پر عقیدہ رکھنے والوں کی جماعت تولیت نامے میں تحریر کیا گیا کہ یہ عمارت اس ازلی، ناقابل جستجو اور قدیم ہستی کے پرستاروں کے اجتماع کے لئے استعمال کی جائے گی جو کائنات کی بانی اور محافظ ہے، اور اس جماعت کا مقصد پاکیزگی، نیکی اور انسانی ہمدردی کو فروغ دینا، نیز تمام مذہبی فرقوں کے درمیان رشتہ اتحاد کو مضبوط کرنا ہوگا عمارت کے اندر کسی شبیہ تصویر کے لانے کی اجازت نہ ہوگی، اور نہ کوئی قربانی وہاں کی جائے گی۔ اس میں جمع ہونے والے کسی ایسی چیز کا ذکر جس کی دوسرے لوگ پرستش کرتے ہوں حقارت کے ساتھ نہ کریں گے۔

ان باتوں کے باوجود رام موہن رائے نے اپنی نئی جماعت کے ارکان پر یہ واضح کردیا تھا کہ ان کے ذہن میں کسی نئے فرقے کی بنیاد رکھنے کا خیال نہیں ہے۔ وہ بس اتنا دعوی کرتے تھے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ موحدانہ پرستش کی بناء ایک عمارت میں قائم کر دی ہے، جس میں تمام ذاتوں، طبقوں اور فرقوں کے لوگوں، ہندووں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو اکٹھا ہو کر خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اور ان سب لوگوں سے جس وحدت عقیدہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھیں۔ خود رام موہن رائے کا رویہ اپنے قومی مذہب کے ساتھ ایک ہمدرد مصلح کا تھا جو ان کی زندگی کے آخر دم تک قائم رہا۔ وہ ایک ایسے مصلح تھے جو برہمنیت کی تمام

خوبیوں اور سچائیوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اور صرف اس کے باطل اور فاسد اجزا کو ختم کر دینے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا عمارت میں بھی ایک کمرہ برہمنوں کے لئے مخصوص تھا جس میں ویدوں کی باقاعدہ کتھا ہوتی تھی۔ اور اس میں برہمنوں کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا تھا۔ رام موہن رائے نے اپنا جنیئو بھی قائم رکھا تھا۔

۱۸۰۳ء میں شہنشاہ دہلی نے رام موہن رائے کو راجہ کا خطاب دے کر اپنے مالی حقوق کی نسبت کمپنی کی بدعنوانیوں کے خلاف اپیل کرنے کے لئے انگلستان بھیجا ۱۸۳۱ء میں وہاں پہونچنے کے بعد ان کی صحت خراب ہونے لگی، اور دو سال بعد ستمبر ۱۸۳۳ء میں ان کا انتقال برسٹل میں ہوگیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے برہمن ملازم نے وہ تمام ہندوانہ رسمیں ادا کیں جو ایک برہمن کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ مرنے کے وقت بھی رام موہن رائے کے جسم پر جنیو موجود تھا۔

رام موہن رائے کے انگلستان جانے کے بعد ان کی نئی جماعت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ بارہ برس کے بعد ان کے دوست دوار کا ناتھ ٹیگور کے فرزند، مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور (رابندر ناتھ ٹیگور کے والد) نے سماج میں داخل ہو کر اس میں نئی جان ڈالی اور اس کو از سر نو منظم کیا۔ برہمو سماج میں داخل ہونے سے پہلے دیوندر ناتھ ٹیگور نے مذہبی اصلاح کے لئے ایک انجمن "تتوابودھنی سبھا" کے نام سے ۱۸۳۹ء میں قائم کی تھی، اور اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے وہ بنگالی زبان میں ایک رسالہ "تتوابودھنی پتریکا" نکالتے تھے جس کی ادارت کے فرائض اکھے کمار دت انجام دیتے تھے۔ وہ پکے خدا پرست بن گئے تھے۔ انہوں نے انگریزی تعلیم ہندو کالج میں پائی تھی۔ اور روحانی اوصاف سے بھی پوری طرح متصف تھے۔ مسٹر عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں کہ تتوابودھنی سبھا کی دوسری سالگرہ کے موقعے پر انہوں نے فرمایا،

"انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم جاہلوں کے مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کرسکتے۔"

وہ ہندو مذہب کے عقائد کی اصلاح چاہتے تھے، اسے ترک کردینے پر راضی نہ تھے۔ خدا کی پرستش پر زور دیتے تھے۔ لیکن طریق پرستش کا فیصلہ انسان کی مذہبی حس

پر چھوڑ دیا تھا۔ فرماتے تھے ۔

"میری خواہش ہے کہ تمام انسان جن میں ادنی طبقے کے لوگ بھی شامل ہیں برہم کی پرستش کریں ۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ گا تیری مدد پرستش کرسکتے ہیں وہ اسی طرح کرتے رہیں ۔ لیکن جو یہ نہیں کرسکتے ان کو اس امر کی آزادی ہو کہ وہ کوئی آسان طریقہ اختیار کرلیں جس کے مطابق وہ خدا کے گیان میں مگن ہوسکیں "

برہمو سماج کی حالت پر غور و خوض کرنے کے بعد مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور اس نتیجے پر پہونچے کہ اس کی بقا اور استواری کی صرف یہی صورت ہے کہ اس کا ایک باقاعدہ صدر مقرر کیا جائے ، اس کے لئے ایک مستقل خادم دین (منسٹر) ہو ، عبادت کا ایک مقرر طریق اور عقائد و اعمال کا ایک معین معیار ہو ۔ چنانچہ ۱۸۴۳ء کے آخر میں انہوں نے برہمو سماج کا ایک عہد نامہ خود مرتب کیا ۔ جو سات دفعات پر مشتمل تھا ۔ سماج کا ممبر بننے کے لئے ہر شخص کو عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ بت پرستی سے پرہیز کرے گا ،کسی مخلوق شئے کی پوجا نہ کرے گا ۔ بلکہ صرف خدا کی پرستش کرے گا جو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ، ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کو فنا کرنے والا ہے ، اور جو وحدہ لاشریک ہے ۔ یہ عہد بھی کرنا پڑتا تھا کہ زندگی پاکیزگی سے بسر کرے گا ۔ اور خدا کی مغفرت ترک گناہ کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا ۔ اس طرح رام موہن رائے کی مذہبی انجمن ۱۸۴۳ء میں از سر نو منظم ہو کر گویا دوبارہ قائم ہوئی ، اور اب اس کا نام "آدی برہمو سماج" رکھا گیا ۔ ۱۸۵۰ء تک بنگال میں برہمو سماج کے نمونے کی کئی سماجیں اور قائم ہوگئیں ، مثلاً مدناپو، کرشن نگر ، اور ڈھاکہ کی سماجیں ۔ عقائد کی اصلاح کے باوجود ہندوؤں کے مذہبی رسم و رواج کی اصلاح پر دیوندر ناتھ ٹیگور زیادہ زور نہیں دیتے تھے ۔ مثلاً انہوں نے خود تو جینو پہننا چھوڑ دیا تھا ۔ مگر دوسروں کو اس سے منع نہیں کرتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ سماج کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ جس کے سرگروہ کیشب چندر سین تھے دیوندر ناتھ کی میانہ روی سے بیزار ہوگیا ۔

کیشب چندر سین ۱۸۵۸ء میں برہمو سماج میں داخل ہوئے تھے ۔ انہوں نے پریزیڈنسی کالج ، کلکتہ ، میں تعلیم پائی تھی ۔ انگریزی تعلیم اور مسیحی خیالات کے اثر سے

ان کو ہندو مذہب کے اکثر رسم و رواج قابل ترک معلوم ہونے لگے ۔ لیکن اپنی نوعمری کے خیال سے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ دیوندر ناتھ ٹیگور کے ساتھ ان کی ماتحتی میں کام کریں ۔ چنانچہ پانچ برس تک دونوں کا ساتھ رہا اور ان کے اتحاد سے سماج کے نوجوانوں کی تربیت ہوتی رہی ۔ مگر آخر کار دیوندر ناتھ کی اعتدال پسندی سے کیشب گھبرا گئے ۔ ان کے نزدیک صرف اسی قدر کافی نہ تھا کہ بت پرستی کا انسداد کر دیا جائے بلکہ وہ ہندو مذہب کے رسم و رواج کو بھی جو ان کے خیال میں باطل تھے مٹا دینا چاہتے تھے ۔ پہلی نزاع ان کے اور دیوندر ناتھ کے درمیان جنیو کے مسئلہ پر ہوئی ۔ کیشب چندر نے اس بات پر زور دیا کہ جو لوگ برہمو سماج کے مندر میں عبادت کرنے آئیں وہ جنیو اتار کر آئیں تاکہ اونچی اونچی ذات کی تفریق جو جنیو سے ظاہر ہوتی ہے باقی نہ رہے ۔ وہ ذات پات کے سخت مخالف تھے ۔ دیوندر ناتھ ٹگور نے اس تحریک پر خود تو جنیو اتار دیا لیکن دوسروں کو اس کے لئے مجبور کرنے پر راضی نہ ہوئے ۔ اس کے بعد شرادھ (یعنی متوفی آباو اجداد کی پوجا) کا مسئلہ دونوں کے درمیان اختلاف کا باعث ہوا ۔ اسی طرح بچے کی پیدائش، اسکے نام رکھنے کی رسم، اور مردے کو جلانے کی رسم پر اختلاف ہوا ۔ زیادہ اہم مسئلہ شادی بیاہ کا تھا ۔ کیشب اور ان کی جماعت کے لوگوں نے بچپن کی شادی کی سخت مخالفت کی ۔ اس کے بعد بیواؤں کی شادی اور تعدد ازواج پر شدید اختلاف ہوا ۔ پھر اگست ۱۸۶۴ء میں کیشب نے دو مختلف ذات کے ہندوؤں کے درمیان شادی کرادی ۔ یہ بدعت دیوندر ناتھ ٹیگور کو بہت ناگوار ہوئی کیشب نے دیکھا کہ وہ کلکتہ کی برہمو سماج میں رہ کر آزادی کے ساتھ اپنا اصلاحی کام جاری نہیں رکھ سکتے ۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ سماج کے ممبروں کی بڑی تعداد اب بھی ذات پات کے جھگڑوں اور اوہام پرستی میں مبتلا ہے ۔ ان کے لئے یہ صور حال ناقابل برداشت تھی ۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا مشن دیوندر ناتھ ٹگور کے مشن سے مختلف ہے ۔ آخر کار فروری ۱۸۶۵ء میں کیشب چندر سین اور ان کے ساتھ سماج کے نوجوان ممبروں کی ایک کثیر تعداد نے "آدی برہمو سماج" سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرکے اپنی جماعت الگ قائم کرلی ۔ لیکن یہ جماعت ایک منظم انجمن کی شکل نومبر ۱۸۶۶ء تک نہ حاصل کر سکی ۔ اب جو انجمن قائم ہوئی اس کا نام ان لوگوں نے "ہندوستان کی برہمو سماج" (بھارت ورشیہ

برہمہ سماج) رکھا۔ اس انجمن کا دعوی تھا کہ اس نے برہمنیت سے اپنا تعلق بالکل منقطع کرلیا ہے "ہندوستان کی برہمو سماج" کے نئے مندر کا سنگ بنیاد ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء کو رکھا گیا۔ لیکن عمارت کا باقاعدہ افتتاح اگست ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ اس نئی تنظیم کے اہم ترین عقائد مختصر حسب ذیل قرار پائے۔

خدا کائنات کا مسبب الاسباب ہے۔ وہ اپنی مشیت سے تمام اشیا کو عدم سے وجود میں لایا اور وہی ان کو مسلسل قائم رکھتا ہے وہ روح ہے مادہ نہیں ہے وہ کامل اور غیر محدود، قادر مطلق، رحمن و رحیم اور قدوس ہے، وہ ہمارا باپ، محافظ، مالک، بادشاہ اور نجات دینے والا ہے۔

روح غیر فانی ہے۔ موت صرف جسم کی تحلیل و تجزیہ کا نام ہے۔ مرنے کے بعد کوئی نئی زندگی نہیں ہوگی۔ آئندہ زندگی ایک سلسلہ وار ترقی یا تکمیل ہے۔ موجودہ زندگی میں جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ گویا آئندہ لوگوں کے جنین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حقیقی مقدس صحیفے دو ہیں۔ صحیفہ فطرت، اور وہ فطری خیالات جو ذہن میں مرتسم ہیں۔ خالق کائنات کی حکمت، قدرت، اور رحمت کائنات کے ہر صفحے پر لکھی ہوئی ہے۔ حیات جاودانی کا عقیدہ اور اخلاقی تصورات ایسے معتقدات ہیں جن کی جڑیں انسان کی سرشت میں پیوست ہیں۔

خدا کبھی انسانی جسم میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی الوہیت ہر انسان میں موجود ہے اور بعض آدمیوں میں زیادہ نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ موسیٰ، عیسیٰ، محمد، نانک، چتینیا اور دنیا کے دوسرے بڑے معلم خاص وقتوں میں ظاہر ہوئے اور انہوں نے دنیا کو بے شمار فائدے پہونچائے وہ عالمگیر احسان مندی اور محبت کے مستحق ہیں۔

برہم سماج مذہب دوسرے تمام مذہبی نظاموں سے مختلف ہے۔ پھر بھی یہ سب کا جوہر یاست ہے۔ یہ دوسرے فرقوں سے مخاصمانہ برتاو نہیں کرتا، بلکہ جو باتیں ان فرقوں میں حق ہیں ان کو قبول کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت پر مبنی ہے۔ اس لئے دائمی اور عالمگیر ہے یہ کسی زمانے یا ملک میں محدود نہیں۔

تمام نوع انسانی کی حیثیت ایک برادری کی ہے۔ برہم مذہب اونچی اور نیچی ذات

کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس مذہب کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسانوں کو متحد کر کے ایک خاندان بنا دے۔

فرائض کی چار قسمیں

(۱) وہ فرائض جو خدا سے متعلق ہیں، مثلاً اس پر ایمان رکھنا، اس سے محبت کرنا اس کی پرستش اور پوجا پاٹ کرنا۔

(۲) وہ فرائض جو اپنی ذات سے وابستہ ہیں، مثلاً جسمانی صحت کو قائم رکھنا، علم حاصل کرنا، اور اپنا تزکیہ نفس کرنا۔

(۳) وہ فرائض جن کا تعلق دوسرے انسانوں کے ساتھ ہے۔ مثلاً راست گوئی، انصاف پسندی، احسانمندی، اور سب کی فلاح و بہبود کو فروغ دینا۔

(۴) وہ فرائض جو جانوروں اور ادنیٰ مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ان کے ساتھ مہربانی کا برتاو کرنا۔

ہر گنہگار کو کبھی نہ کبھی اپنے گناہوں کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، خواہ اسی دنیا میں خواہ دوسری دنیا میں۔ انسان کو لازم ہے کہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے خدا کی پرستش کرے، اپنے نفسانی جذبات کو مغلوب رکھے۔ گناہوں پر نادم ہو۔ فطرت اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کرے، نیک آدمیوں کی صحبت اختیار کرے، اور تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کرے۔ یہی چیزیں خدا کے فضل و کرم سے نجات تک اس کی رہنمائی کریں گی۔

نجات یا مکتی نام ہے روح کے بداخلاقی کی جڑ سے رہائی پانے اور پاکیزگی میں ہمیشہ ترقی کرتے رہنے کا۔ اس ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اور روح اس ذات میں جو غیر محدود اور تقدس اور مسرت کا سرچشمہ ہے روز بروز زیادہ متقی اور مسرور ہوتی جاتی ہے۔ خدا کی رفاقت ہندوستان کے خدا پرستوں کی جنت ہے۔

۱۸۷۰ء میں کیشب چندر سین نے انگلستان کا سفر کیا، اور اس کا مقصد یہ بیان کیا کہ وہ اپنے ہم وطنوں کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی ترقی میں انگریزوں کی دلچسپی کو ابھارنا چاہتے ہیں۔ اسی سال ولایت سے واپس آکر وہ معاشرتی اصلاح کی کوشش میں سرگرمی کے ساتھ منہمک ہوگئے اور عورتوں کی اصلاح، مردوں اور عورتوں کی تعلیمی ترقی، شراب خواری کے انسداد، اور اہل ہند کی عام معاشرتی اصلاح کے لئے ایک سوسائٹی "

انڈین رفارم ایسوسی ایشن " (ہندوستان کی انجمن اصلاح) کے نام سے قائم کی ۔ یہ سوسائٹی جس میں ہر طبقے اور فرقے کے لوگ شامل ہو سکتے تھے ۔ ۲ نومبر ۱۸۷۰ء کو قائم کی گئی ۔ اور ۱۸۷۱ء میں بالغوں کا اسکول اور ایک نارمل اسکول عورتوں کے لئے کھولا گیا ۔

سب سے اہم اصلاح جس کی طرف کیشب اور ان کے ساتھیوں نے پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنی توجہ مبذول کی شادی بیاہ کے رسوم کی اصلاح تھی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کیشب بچپن کی شادی کے سخت مخالف تھے ۔ چنانچہ اب انہوں نے بہترین طبی مشورے حاصل کر کے شادی کے لئے مناسب عمر کا تعین کیا ۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ حکومت سے ایک نئے قانون ازدواج کی درخواست کی گئی جس کی رو سے برہمو سماج کے ممبروں کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے طریقے پر قانونی شادیاں کر سکیں ۔ چنانچہ اس تحریک پر حکومت کی طرف سے ایک مسودہ قانون تیار کیا گیا ۔ لیکن اس مسودے کی شدید مخالفت نہ صرف پرانے خیال کے برہمنوں بلکہ خود سماج کے زیادہ قدامت پسند ممبروں نے بھی کی ۔ مزید کوشش کے بعد بالآخر ۲۲ مارچ ۱۸۷۲ء کو " دیسی شادی کا قانون " (Native Marriage Act) پاس ہو گیا ۔ اس قانون نے پہلی مرتبہ ہندو سوسائٹی میں قانونی شادی (سیول میرج) کا دستور جاری کیا ۔ اس کی رو سے شادی بغیر کسی مذہبی رسم کے ہو سکتی تھی ۔ مختلف ذاتوں کے درمیان بھی شادی جائز قرار دی گئی لڑکے کی عمر کم سے کم اٹھارہ سال اور لڑکی کی چودہ سال معین کی گئی ۔ لیکن فریقین میں سے اگر کوئی اکیس سال سے کم کا ہو تو اس صورت میں والدین یا سرپرستوں کی تحریری منظوری حاصل کرنا لازمی ٹھہرایا گیا ۔ قرابت کے چند معین درجوں تک باہمی شادیاں نہیں ہو سکتی تھیں ۔ اسی طرح بیک وقت دو شوہروں یا دو بیویوں کا رکھنا بھی ممنوع قرار پایا ۔ لیکن بیوہ عورتوں کو شادی کرنے کی اجازت دی گئی ۔

اس کے بعد کچھ عرصے تک " آدی برہمو سماج " جس کی لیڈر دیوندر ناتھ ٹگور تھے اور " ہندوستان کی برہمو سماج " جو کیشب چندر سین کی سرکردگی میں تھی ، دونوں اپنے اپنے دائرے میں اچھا کام کرتی رہیں ۔ ان کی سرگرمیوں کا ثبوت ان کے تبلیغی

کارناموں سے ملتا ہے ۱۸۷۷ء تک تمام ہندوستان کی، جس میں اسام بھی شامل تھا، برہمو سماجوں کی تعداد ایک سو سات تک پہونچ گئی تھی۔ ان میں سے بعض قدیم سماج کی پیرو تھیں اور بعض ترقی پسند سماج کی۔

اس درمیان میں ترقی پسند سماج میں اختلاف و انتشار کے آثار ظاہر ہونے لگے جو چیز اس سماج میں برہمی پیدا کرنے کا باعث ہوئی وہ کیشب چندر سین کے اقتدار کا مسئلہ تھا۔ سر مونیر ولیمس لکھتے ہیں کہ کیشب کی ذہانت اور طباعی ایسی نمایاں تھی کہ تھوڑے ہی دنوں میں ان کا احترام ایک قسم کی پرستش کی حد تک پہونچ گیا۔ بعض لوگوں نے ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ الوہیت کا دعوی کرتے ہیں۔ اس کا انھوں نے انکار کیا۔ اور ان کے متبعین نے بھی اس الزام کی ہمیشہ سختی سے تردید کی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ کشف اور الہام کے مدعی تھے۔ علاوہ بریں وہ اپنی جماعت کے مذہب اور عقائد ہی میں خود مختار اور مطلق العنان نہ تھے بلکہ اس کے تمام معاملات کے تنہا منتظم اور مہتمم بھی تھے۔ اور ایک غیر ذمہ دار آمر (ڈکٹیٹر) کی طرح حکومت کرتے تھے۔ لوگوں نے یہ شکایت کرنی بھی شروع کی کہ ترقی پسند سماج کسی دستور کی پابند نہیں۔ اور نہ اسے اپنے معاملات میں بحث و مباحثہ کی آزادی حاصل ہے۔

اختلاف اور بے اطمینانی کے عناصر اپنا کام کرہی رہے تھے کہ ایک نہایت غیر متوقع واقعہ پیش آیا جس نے سماج کو بہت جلد درہم برہم کردیا۔ ۱۸۷۷ء میں یہ افواہ اڑی کہ کیشب جیسا زبردست مصلح اپنے عزیز اصولوں کو جاہ و ثروت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دینا چاہتا ہے، یعنی جو شخص بچپن کی شادی کو ہندوستان کے لئے ایک لعنت سمجھتا تھا۔ وہ خود اپنی لڑکی کا بیاہ جس کی عمر چودہ سال سے کم تھی کوچ بہار کے نوجوان مہاراجہ سے، جو ابھی اٹھارہ سال کا بھی نہیں تھا۔ کردینے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس افواہ کی تصدیق جب ترقی پسند سماج کے اخبار "انڈین مرر" مورخہ ۹ فروری ۱۸۷۸ء سے ہوئی، جس میں اس شادی کے طے پاجانے کا اعلان شائع ہوا تھا، تو ہر طرف سے اعتراضات ہونے لگے۔ لیکن ان کی مطلق پرواہ نہیں کی گئی، اور ۶ مارچ ۱۸۷۸ء کو شادی کی رسم ادا ہوگئی۔ اس شادی میں عروس کی طرف سے بت پرستانہ رسوم بھی ادا کی گئیں۔ اگرچہ کیشب چندر سین خود وہاں موجود نہ تھے۔ سر مونیر ولیمس

لکھتے ہیں کہ شادی کے جائز قرار پانے کے لئے بعض رسوم ہوم وغیرہ کا ادا کیا جانا ایک دیسی ریاست میں ضروری تھا جو انگریزی حکومت کی حمایت میں ہونے کے باوجود برطانوی ہند کے قانون نکاح سے مستثنیٰ تھی۔ شادی کے بعد فوراً ہی مہاراجہ انگلستان کو روانہ ہوگیا۔ اور زن و شوہر کے درمیان ازدواجی تعلقات ۲۰ اکتوبر تک شروع نہیں ہوئے جب کہ شادی کی آخری رسمیں ادا کی گئیں۔

چند روز کے بعد اس شادی کی مخالفت کرنے والوں نے اپنے آئندہ طرز عمل پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا۔ انھوں نے اس امر کی بھی ناکام کوشش کی کہ کیشب چندر سین کو خادم دین کے عہدے سے معزول کردیا جائے۔ نیز سماج کے مندر پر قبضہ کرنے کی کوشش میں بعض نامناسب باتیں ظہور میں آئیں۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک نئی جماعت دستوری اور عالم گیر بنیاد پر قائم کی جائے۔ چنانچہ تمام صوبہ جاتی سماجوں سے مشورہ کیا گیا۔ اور اکثریت کی رائے کے مطابق ۱۵ مئی ۱۸۷۸ء کو کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرار داد منظور ہوئی۔

"یہ جلسہ برہم سماج میں کسی دستوری نظام کے نہ ہونے پر نہایت افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اور ایک دوسری سماج "سادھارن (عام) برہم سماج" کے نام سے قائم کرتا ہے تاکہ وہ سنگین اور گوناگوں برائیاں دور کردی جائیں جو موجودہ صورت حال کا نتیجہ ہیں۔ اور ان تمام باتوں میں جو ہندوستان میں خدا پرستی کے مسئلے اور خدا پرستی کے کام پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عام برہم جماعتوں کی نمائندگی اور ان کا متحد تعاون حاصل کیا جائے۔"

اس نئی برہم سماج کے پہلے صدر آنند موہن بوس تھے۔ عبادت کے جلسے شروع شروع میں کرایہ کے کمروں میں ہوا کرتے تھے۔ لیکن جنوری ۱۸۷۹ء میں ایک جدید عبادت خانے کی تعمیر شروع کردی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ اس جماعت کی طرف سے ایک اخبار "برہم پبلک اوپی نین" (Brahma Public Opinion) اور ایک پندرہ روزہ رسالہ "تتوا کمودی" یعنی "سچائی کی چاندنی" جاری کیا گیا۔

مسٹر عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں۔

۱۸۷۸ء کی مذہبی پھوٹ سے سادھارن برہمو سماج پیدا ہوئی (جس کی

عام جماعت نے مغرب کے آزاد کلیساؤں کے اصول پر کام کرنا شروع کردیا) کیشب نے اس وقت (جنوری ۱۸۸۱ء میں) واضح طور پر اپنے جدید مذہبی عقیدے (نواودیدھن) کا اعلان کیا اور دعوی کیا کہ ان کو خود وحی آتی ہے اور وہ اپنے مذہب کے نبی ہیں۔ جنوری ۱۸۸۴ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت برھمو سماج کے جھنڈے کے نیچے تین جماعتیں ہیں۔

(۱) قدیم جماعت یا آدی سماج، جو گو کم تعداد میں ہے۔ لیکن اپنے آئین میں خاص طبقے کے اراکین کو اختیار دیتی ہے۔ اس جماعت پر ۱۸۷۲ء کے سیول میرج ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ شادی کے معاملے میں خود اپنی رسموں کی پابند ہے۔ (۲) مجلس عامہ یا سادھارن جماعت جو عام عملی یا دنیاوی تنظیم پر مبنی ہے، اور (۳) "جدید عقیدہ" کی جماعت، جس میں مذہبی اسرار اور طریقت کو جگہ دی جاتی ہے۔ آخر الذکر جماعت اپنے عقائد کی عالم گیر نوعیت کے متعلق یہ دعوی کرتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہندو رسم و رواج کی پابندی سے آزاد کرلیا ہے۔ لیکن عملی پہلو سے یہ بات مشکل ہے۔ سماج کا زیادہ تر اثر موجودہ زمانے میں بنگال میں پایا جاتا ہے۔

بنگال کے باہر برھمو سماج کی تحریک کو بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بمبئی میں پرارتھنا سماج کے نام سے مغربی ہند کی پہلی خدا پرست انجمن ۱۸۶۷ء میں قائم ہوگئی تھی۔ پرارتھنا سماج کے مشہور لیڈر ایم جی رانا ڈے ۱۸۴۲ تا ۱۹۰۱ء اور ان جی چند اور کرد ۱۸۵۵ء تا ۱۹۲۳ء) تھے۔ ان دونوں کی توجہ زیادہ تر اصلاح معاشرت پر مرکوز رہی۔ اور اس شعبے میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ پرارتھنا سماج کے مرہٹی مرکز پونا اور بمبئی میں ہیں، اور ایک گجراتی مرکز احمد آباد میں ہے۔ مدراس کی برہم سماج جو ۱۸۷۱ء میں قائم ہوئی تھی ایک سابق انجمن وید سماج کی ترقی یافتہ شکل تھی رفتہ رفتہ مدراس کی سماج کی اٹھارہ دراوڑی شاخیں صوبے میں اور قائم ہوگئیں۔ لاہور میں سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ کی وصیت کے مطابق ۱۹۱۰ء میں

دیال سنگھ کالج کی بنیاد پنجاب میں برھمو سماج کے اصول کی تبلیغ کے لئے ڈالی گئی تھی۔ لیکن آریہ سماج کی مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی۔

آریہ سماج

برھمو سماج کے بعد ہندو مذہب کا سب سے اہم اصلاحی فرقہ آریہ سماج ہے۔ اس کے بانی سوامی دیانند سرسوتی ۱۸۲۴ء میں کاٹھیاوار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے اپنے نام اور مقام پیدائش کو مخفی رکھا۔ ۱۸۸۳ء میں ان کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا اصلی نام مول شنکر تھا اور وہ ایک برھمن امباشنکر کے بیٹے تھے جو شیوجی کے پجاریوں میں تھے اور ساہوکاری کا پیشہ کرتے تھے۔ سوامی دیانند کی زندگی تقریباً تین برابر حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۴۵ء تک وہ گھر پر مقیم رہے اس کے بعد ۱۸۴۵ء سے ۱۸۸۳ء تک کازمانہ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا دور ہے۔

چودہ سال کی عمر میں ہی مول شنکر بت پرستی سے بیزار ہوگئے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک رات جب وہ شیوجی کے مندر میں پوجا کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ چوہے بت پر دوڑ رہے ہیں۔ اپنے معبود کی اس بے بسی کا ان کے دل پر اتنا اثر پڑا کہ انہوں نے بت پرستی چھوڑ دینے کا عزم کرلیا گھر پر قیام کے زمانے میں دوسرا واقعہ جس نے ان کو بہت زیادہ متاثر کیا ان کی بہن کی موت کا سانحہ تھا۔ بہن سے ان کو بڑی محبت تھی۔ اس کی موت نے دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر بٹھا دیا اور انہوں نے دنیا سے منہ موڑ کر مکتی کی تلاش میں نکل جانے کا ارادہ کرلیا۔ اس ارادے کی اس وجہ سے اور بھی تقویت ہوئی کہ ان کے والدین اب ان کی شادی کردینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ازدواج کی زنجیروں میں جکڑنے جانے سے پہلے ہی اکیس سال کی عمر میں وہ گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

گھر سے نکلنے کے بعد ایک سنیاسی کی حیثیت سے تقریباً اٹھارہ سال انہوں نے متعدد مقامات کی سیاحت اور مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے میں گزاردے سب

سے پہلے وہ ویدانتی عقائد کے قائل ہوئے ۔ اور ایک عرصے تک انفرادی روح اور روح اعلی کو ایک سمجھتے رہے ۔ اسی زمانے میں وہ برہم چاری سلسلے میں داخل ہوئے اور انھیں ایک نیا نام سدھا چتینیا دیا گیا ۔ اس کے بعد وہ سنیاسیوں کے چوتھے طبقے میں داخل کئے گئے اور ان کو وہ لقب عطا ہوا جس سے وہ بعد کو مشہور ہوئے ۔ یعنی دیانند سرسوتی ۔ لیکن اس لقب کے علاوہ اور تمام چیزیں جو ان کو اپنے ویدانتی اساتذہ سے ملی تھیں انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ترک کردیں ۔ اور ویدانت کے مذہب سے الگ ہوکر یوگ کا مسلک اختیار کرلیا ۔ ان کی زندگی پر سب سے زیادہ مذہبی اثر متھرا کے نابینا فاضل وید سوامی درجانند کی تعلیم کا پڑا ۔ ورجانند جدید سنسکرت ادب کے سخت مخالف تھے ۔ انھوں نے دیانند کو اس شرط پر تعلیم دینا منظور کیا تھا کہ وہ جدید سنسکرت ادب کی اپنی تمام کتابیں پھینک دیں گے ۔ دیانند نے یہ شرط منظور کرلی اور نابینا سوامی نے انھیں وید کی تعلیم دے کر ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا ۔ " میں چاہتا ہوں کہ تم دنیا میں جاکر انسانوں میں روشنی پھیلاؤ ۔ " اس طرح سوامی دیانند کی زندگی کا دوسرا دور ختم ہوا۔

اپنی زندگی کے آخری بیس سال (۱۸۶۳ء تا ۱۸۸۳ء) میں سوامی دیانند تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے ۔ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم گھوم کر ویدک تعلیمات کی اشاعت کرتے تھے ۔ اسی سلسلے میں انھوں نے پنڈتوں ، مولویوں اور عیسائی مشنریوں سے بھی مناظرے کئے اور کتابیں لکھیں ۔ تبلیغی سیاحت کے ابتدائی چار سال کے بعد وہ " مزید غور و فکر اور تہذیب اخلاق " کے لئے دریائے گنگا کے کنارے جاکر مقیم ہوگئے ۔ قریب ڈھائی سال وہاں قیام کرنے کے بعد وہ پھر مذہبی مباحثے کے لئے نکلے ۔ بت پرستی کے بڑے بڑے مرکزوں میں جاکر وہ ہمیشہ یہ سوال کرتے " کیا ویدوں میں مورتی پوجا ملتی ہے ؟ اور بت پرستی کے خلاف نہایت پرجوش تقریریں کرتے اور اپنے مخالفین کو شکست دیتے ہیں ۔

۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو سوامی دیانند نے بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی ۱۸۷۷ء میں دربار کے موقع پر وہ دہلی گئے اور وہاں پنجاب کے بعض اصحاب سے ان کی ملاقات ہوئی جنھوں نے اپنے صوبے میں آنے کی ان کو دعوت دی ۔ چنانچہ اس

تقریب سے وہ پنجاب گئے ۔ جہاں بعد میں ان کی سماج کو بڑا فروغ حاصل ہوا ۔

اپنی تبلیغی سیاحت کے دوران میں سوامی دیانند اس عہد کے مختلف مصلحین مذہب سے ملے ، مثلاً برھمو سماج کے نمائندے دیوندر ناتھ ٹگور اور کیشب چندر سین ، تھیو سوفیکل سوسائٹی کی روح و رواں مدام بلا واٹسکی اور کرنل اسکاٹ ، پرارتھنا سماج کے لیڈر بھوٹا ناتھ سارا بھائی ، مسلمانوں کے مصلح سید احمد خاں ، اور عیسائیوں کے مبلغ ڈاکٹر ٹی جے اسکاٹ اور ریورنڈ جے گرے سے انہوں نے ملاقات کی پرارتھنا سماج اور برھمو سماج دونوں کے لیڈروں سے ملکر انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ ایک متحدہ جماعت " آریہ سماج " کے نام سے قائم کی جائے ۔ لیکن بجز تھیو سوفیکل سوسائٹی کے اور کسی جماعت کے ساتھ عارضی اتحاد بھی عمل میں نہ آسکا ۔ ۱۸۷۸ ء سے ۱۸۸۱ ء تک آریہ سماج اور تھیوسوفیکل سوسائٹی مل کر کام کرتی ہیں ۔ لیکن یہ اشتراک عمل زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا ۔ اور خدا کی شخصیت کے مسئلے پر دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئیں ۔

۱۸۸۲ میں سوامی دیانند راجپوتانہ گئے اور وہاں کے راجاؤں کے دوست اور مشیر بن گئے ۔ ان کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ انہوں نے مہاراجہ جودھپور کو اس بات پر سرزنش کی کہ وہ ایک طوائف کے زیر اثر تھے ۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد سوامی دیانند بیمار پڑے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں کھانے میں زہر دیا گیا تھا ۔ جو آہستہ آہستہ اپنا کام کررہا تھا ۔ بہر حال ان کی بیماری مہلک ثابت ہوئی ۔ اور ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ ء کو انسٹھ سال کی عمر میں ان کا انتقال اجمیر میں ہوگیا ۔

عقائد اور اصول

آریہ سماج کے عقائد کی تصریح مندرجہ ذیل دفعات میں کی گئی ہے جو سیتارتھ پرکاش کے " مستند اردو ترجمہ " کے شروع میں " آریہ سماج کے اصول " کے زیر عنوان درج ہیں ۔ قوسین کے الفاظ خود مترجم کے ہیں ۔

" ۱ ۔ سب ست ودیا (حقیقی علوم) اور ست ودیا سے جو پدارتھ (اشیاء)

جانے جاتے ہیں ان سب کا مول (علت اولی) پرمیشور ہے ۔

۲ ۔ ایشور سچدانند سروپ (عین الحق علیم سرداز) نر انکار (غیر محدود) ، شرو شکیتما (قادر مطلق) نیائے کاری (عادل) دیالو (رحیم) اجنما (بری از تولید) اننت (لاانتہا) ، نروکار (بے عیب) ، اناوی (ازلی) ، انوپم (بے شکل) ، سرد آدھار (سب کا سہارا) ، سرویشور (رب الارباب) سرد و یاپک (حاضر و ناظر) ، سرد انتریامی (سب کارازداں) ، اجر (لازوال) ، امر (غیرفانی) ابھے (بے خوف) ، اینتہ (ابدی) ، پوتر (پاک) ، اور سرشٹی کرنا ، (خالق) ہے۔ اسی کی اپاسنا کرنی یوگیہ (واجب) ہے ۔

۳ ۔ وید سب ست ودیاوں کا پستک (کتاب) ہے ۔ وید کا پڑھنا پڑھانا سننا سنانا ،سب آریوں کا پرم دھرم ہے ۔

۴ ۔ ستیہ (راستی) کے گرہن (قبول) کرنے اور استیہ (ناراستی) کے چھوڑنے میں سرودا (ہمیشہ) ادیت (مستعد) رہنا چاہئے ۔

۵ ۔ سب کام دھرم انوسار (دھرم کے مطابق) ارتھات (یعنی) ستیہ اور استیہ کو وچار کرنے چاہئیں ۔

۶۔ سنسکار (عالم) کا اپکار (بھلا) کرنا اس سماج کا مکھیہ (خاص) ادیش (منشا) ہے ارتھات (یعنی) شاریرک (جسمانی) ، آتمک (روحانی) ۔ اور ساماجک (مجلسی) انتی (ترقی) کرنا ۔

۷ ۔ سب سے پرستی پوروک (محبت سے) دھرم انوساریتھا یوگیہ (مناسب) برتنا چاہئے ۔

۸ ۔ اودیا (جہالت) کاناش (دور) اور ودیا (علم) کی وردھی (ترقی) کرنی چاہئے ۔

۹ ۔ پرنیک (ہرایک) کو اپنی ہی انتی سے سنتشٹ (قانع) نہ رہنا چاہئے ، کنتو (بلکہ) سب کی انتی میں اپنی انتی سمجھنی چاہئے ۔

۱۰ ۔ سب منشیوں (آدمیوں) کو ساماجک سرد تہکاری (فوائد عامہ کے متعلق) نیم (اصول) پالنے میں پرتنتر (ماتحت) رہنا چاہئے اور پرتنک (اپنی ذات کے

متعلق) تھکاری نیم میں سب سوتنتر(خود مختار) رہیں۔"

مندرجہ بالا دس اصولوں میں سے پہلے تین خدا کی ذات و صفات اور ویدوں سے متعلق ہیں۔ باقی سات اخلاقی ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ آریہ سماج کی دینیات (مذہبی تعلیم) سانکھیہ یوگ کا مذہبی فلسفہ ہے۔ سانکھیہ کا بنیادی اصول پراکرتی اور پرس یعنی مادہ اور روح کی ثنویت ہے۔ یوگ یا خدا پرستارانہ سانکھیہ غیر خدا پرستارانہ سانکھیہ کی تسلیم کردہ لاتعداد ارواح میں سے ایک کو لے کر اسے روح اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ اس طرح ایک قسم کی تثلیث قائم ہوجاتی ہے۔ جو خدا، روح (یا ارواح) اور مادے پر مشتمل ہے، اور اس تثلیث کی ہر فرع اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔ خدا کا وجود دائمی ہے۔ اسی طرح ہر روح اور مادہ بھی اپنا دائمی وجود رکھتا ہے۔

آریہ سماج کے نقطہ نظر سے نجات کا سب سے بڑا ذریعہ انسان کی ذاتی کوشش ہے، اور اس کے لئے آواگون کا عقیدہ کافی وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ گناہ کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ کرم کا قانون اٹل ہے۔ ارادے کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ،

" اگر ہماری تخلیق کسی اور کے ہاتھوں سے ہوئی ہے تو اس صورت میں ہم کسی فعل کا ارادہ کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں ...... آزاد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم وہی فعل کرتے رہیں جو ہمارے نزدیک بہتر ہو یا ہمارے افعال کی راہ ہمارے پچھلے کرموں سے متعین ہوئی ہو، اور اس طرح خدا کے دائمی قوانین کے مطابق گویا اپنے اچھے یا برے کاموں کا پھل پاتے رہیں اور انہیں قوانین کے مطابق گویا اپنے ہاتھوں سے اپنی آئندہ قسمت کی تشکیل کرتے رہیں۔" (آریہ پترکا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۰۱ء)

مقالہ نگار مذکور لکھتا ہے کہ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ آریہ سماج میں خدا کی ہستی محض ایک دستوری فرمانبروا کی حیثیت رکھتی ہے جو آواگون اور کرم کی اٹل کارروائیوں کی صدارت کرتی ہے، اور اس کے اختیارات روح اور مادے کے مستقل وجود سے محدود رہتے ہیں۔ اس طرح مطلقیت خدا کے لئے بھی تسلیم نہیں کی جاتی۔ اس فرقے کے نظام دینیات میں سائنس اور مذہب کی قدیم نزاع کو دور کرنے کی کوشش

پائی جاتی ہے ، اور اس مقصد کے لئے وید اور صحیفہ فطرت میں مطابقت دکھائی جاتی ہے ۔ معجزات سے انکار کیا جاتا ہے ۔

اصلاحی کارنامے

سوامی دیانند نے اصلاح مذہب کے سلسلے میں پہلا کام یہ کیا کہ ویدوں کا ہندی ترجمہ شائع کیا ۔ چنانچہ وید بھاش بھومکا ان کے قلم سے وید کی ایک مشہور تفسیر ہے گوسناتن دھرم کے ہندو اس تفسیر کو صحیح نہیں مانتے ۔ آریہ سماج ویدوں کو الہامی اور غلطی سے پاک سمجھتی ہے ۔ تناسخ پر بھی یہ کامل اعتقاد رکھتی ہے ۔

اصلا معاشرت میں برھمو سماج کی طرح آریہ سماج نے بھی دو چیزوں کے خلاف خاص طور پر زور دیا ہے ۔ ایک ذات پات کی تفریق ، اور دوسرے بچپن کی شادی ۔ اس کے نزدیک ذاتوں کا تفرقہ اعمال و اخلاق پر مبنی ہے نہ کہ پیدائش پر ۔ ذاتوں کا امتیاز جو ہندو مذہب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے آریہ سماج نے بالکل مٹا دیا ہے ۔ اس نے بچپن کی شادی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے ، اور لڑکی کے لئے شادی کی عمر کم از کم سولہ سال اور لڑکے کے لئے پچیس سال مقرر کی ہے ۔ سماج کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بیوہ عورتوں کو شادی کی اجازت دے دی ۔ جو قدیم ہندو مذہب میں کسی صورت میں جائز نہ تھی ۔

۱۹۰۲ ء میں آریہ سماج کے دو حصے ہوگئے ۔ ایک جماعت مغربی علوم و فنون کی حامی بن گئی ۔ اس نے لاہور میں ڈی ۔ اے ۔ وی کالج قائم کیا ۔ جہاں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ویدک دھرم کی تعلیم بھی نصاب میں شامل کی گئی ۔ اگرچہ زیادہ زور انگریزی ہی کی تعلیم پر دیا جاتا تھا ۔ لاہور کالج کے نمونے پر متعدد مقامات پر کالج اور اسکول قائم کئے گئے دوسری جماعت نے ہردوار میں گنگا کے کنارے گروکل قائم کیا ۔ یہاں ہندو بچے آٹھ سال کی عمر میں داخل کئے جاتے ہیں ۔ اور پچیس سال کی عمر تک سنسکرت اور ہندی میں تعلیم پاتے ہیں ۔ اس درمیان میں وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتے ہیں ۔ اور برھمچاری کہلاتے ہیں ۔ ان برھمچاریوں کا مقصد زندگی یہ قرار دیا گیا ہے کہ گروکل سے

نکلنے کے بعد ملک میں سماج کے اصولوں کی تبلیغ کریں اور نہ صرف ویدک دھرم بلکہ ویدک تہذیب کو بھی جاری کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہردوار کے نمونے پر متھرا اور دہلی میں بھی گروکل قائم کئے گئے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے گروکل علیحدہ ہیں۔

ویدک دھرم کے پرچار کے سلسلے میں آریہ سماج کی ایک نہایت اہم اصلاح شدھی کا مسئلہ ہے۔ ہندو مذہب کی رو سے دوسرے مذہبوں کے پیرو ہندو نہیں بنائے جاسکتے ہندو پیدائش ہی سے ہندو ہوتا ہے۔ لیکن آریہ سماج نے شدھی کا طریقہ جاری کرکے دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی ہندو بنانے کی کوشش کی۔ یہ گویا عیسائی اور مسلمان مبلغین کی سرگرمیوں کا جواب تھا یا ان کی نقل تھی۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبد القادر رائے پوریؒ

نبی رحمتؐ مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل
ارکان اربعہ
نقوشِ اقبال
کاروانِ مدینہ
قادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحبتے با اہل دل
کاروانِ زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستورِ حیات
حیات عبد الحئیؒ
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پاجا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر۔ فضل ربی ندوی ـــــ فون - ۶۲۱۸۱۷-۶۲۰۸۹۶
مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد مینشن ۔ ا ۔ کے ۳ ۔ ناظم آباد ۱، کراچی ۱۸
اسٹاکسٹ ، مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار، کراچی